اگست ۱۹۷۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مرتب
شیخ جمیل الرحمٰن

جلد ۲۷	ماہ اگست ۱۹۷۸ء	شمارہ ۸

مشمولات

- تذکرہ و تبصرہ — — — — — ڈاکٹر اسرار احمد صفحہ
- اختلاف : رحمت یا زحمت ! — — — — مولانا قاری محمد طیب مدظلہ ”
- ڈاکٹر اسرار احمد کی حالیہ مخالفت — — مولانا وصی مظہر ندوی ”
- دعوت حق کے مخالفین — — — — ماخوذ ”
- شرک اور اقسام شرک (قسط ۹) — — — ڈاکٹر اسرار احمد ”
- قرآن حکیم اور حفظ صحت — — — — پروفیسر ڈاکٹر احسان الحق رانا
- ضمیمہ : عظمت قرآن و رمضان — — — مرکزی انجمن خدام القرآن

شائع کردہ :

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور
فون : 352683

[illegible] قیمت فی پرچہ ۱/۵۰

تعلیم دعاء

اعجاز نبوی کا آئینہ

از قلم : مولانا سید ابوالحسن ندوی

ادعیہ ماثورہ کا عظیم خزینہ

صفحات ۴۰ - سفید کاغذ آفسٹ طباعت ہدیہ ۱/۵۰

دعوت اسلامی

تاریخ کے آئینے میں

از قلم : مولانا وصی مظہر ندوی

ریڈیو جدہ (سعودی عرب) سے نشر شدہ پندرہ تقاریر

صفحات ۱۱۲ - سفید کاغذ آفسٹ طباعت ہدیہ ۵۰ / ۴

ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک پرتاثیر خطاب

نبی اکرم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں

بڑا سائز صفحات ۴۸ - سفید کاغذ آفسٹ طباعت ہدیہ ۵۰ / ۱

ملنے کا پتہ : مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن - لاہور

ڈاکٹر صاحب موصوف کا ایک اہم خطاب

شرک اور اقسام شرک

زیر طبع

تذکرہ وتبصرہ

ڈاکٹر اسرار احمد

مولانا امین احسن اصلاحی کے ایک 'شاہکار' خط کا ذکر ان صفحات میں گذشتہ دو ماہ سے ہو رہا ہے۔ چنانچہ جون کے شمارے میں محترم جمیل الرحمٰن صاحب نے اس کا مجمل حوالہ دیا تھا، اور پھر جولائی کے پرچے میں راقم الحروف نے وہ خطوط شائع کئے تھے جن کا تبادلہ اس خط کے ضمن میں مولانا سید وصی مظہر ندوی اور اصلاحی صاحب کے مابین ہوا ـــــ اس سلسلے میں مولانا کی جانب سے مزید پیش قدمی یہ ہوئی ہے کہ اُن کے ایک شاگرد رشید اور وکیل جلیل نے اُن کے خط کی وضاحت ایک کتابچے کی صورت میں شائع کی ہے جو بڑے سائز کے چوبیس صفحات پر مشتمل ہے اور جسے لاہور کی اہم مساجد میں بھی تقسیم کیا گیا ہے اور بذریعہ ڈاک پاکستان کے طول و عرض میں بھی پھیلایا گیا ہے ـــــ دلچسپ امر یہ کہ اس سلسلے میں اس نیم سیاسی و نیم مذہبی جماعت کے دفاتر کے پتوں سے مدد حاصل کی گئی ہے جس کے ناقدین کی فہرست میں اصلاحی صاحب اور راقم الحروف دونوں شامل رہے ہیں اور جس کے قائدین کے لئے فی الوقت لیلائے وزارت سے ہم کناری کی خوشی کے جشن کے موقع پر اس خط اور اس کی 'توضیح مزید' کی حیثیت اضافی تفنّنِ طبع کے سوا اور کچھ نہیں۔ سچ ہے ع: "ہم نے کیا کیا نہ کیا دیدہ و دل کی خاطر!"

اس ضمن میں گذشتہ ایک ماہ کے دوران ہمیں بہت سے خطوط موصول ہوئے ہیں، جن میں سے بعض میں تو پورے زور اور شدّ و مدّ کے ساتھ کہا گیا ہے کہ اس تخریبی مہم کا پوری طرح نوٹس لیا جائے اور مخالفانہ پروپیگنڈے کا مُنہ توڑ جواب دیا جائے ـــــ چنانچہ بعض حضرات نے تو اپنے شدید ردِّ عمل کے اظہار کے لئے جو تُند و تیز خطوط اصلاحی صاحب کو ارسال کئے ہیں، اُن کی نقول بھی ہمیں برائے اشاعت بھیج دی ہیں، لیکن اکثر مکتوب نگاروں نے یہی مشورہ دیا ہے کہ صبر و تحمّل سے کام لیا جائے اور اس الزام در الزام اور جواب در جواب کے جھمیلے میں اُلجھ کر اپنی منزل کھوٹی نہ کی جائے! ـــــ ہمارے نزدیک یہ دونوں ہی

مشورے اپنی اپنی جگہ درست و صائب ہیں۔ اس راہ میں، اس میں کیا شک ہے کہ صبر و تحمل ہر اعتبار سے اوّل بھی ہے اور اَولیٰ بھی۔ لیکن دوسری جانب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے جس سے تجاوز مُضر ہی نہیں پیشِ نظر مقصد کے اعتبار سے مہلک بھی ہو سکتا ہے ـــــ تاہم ابھی کم از کم ایک ماہ کے لئے ہمارا فیصلہ صبر و انتظار (WAIT AND SEE!) ہی کا ہے ـــــ اس لئے کہ ایک تو یہ رمضان مُبارک کا مہینہ ہے جس کے بارے میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا حکم یہ ہے کہ :۔ "اِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّہٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَہٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ امْرُءٌ صَائِمٌ" (متفق علیہ) ـــــ [یعنی جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو اُسے چاہیئے کہ نہ تو وہ کوئی فحش کلمہ زبان سے نکالے، نہ شور و شغب کرے اور اگر کوئی دوسرا اسے گالم گلوچ یا دنگے فساد میں اُلجھانا چاہے تو یہ کہہ کر کنارا کشی کر لے کہ بھائی! میں روزے سے ہوں!] ـــــ دوسرے یہ کہ ہم نے "نظرِ ثانی" کی جو درخواست گذشتہ شمارے میں اصلاحی صاحب کی خدمت میں پیش کی تھی، بہتر ہے کہ اُس پر غور کرنے کے لئے انہیں مزید وقت مل جائے۔ اس لئے کہ حالیہ اقدام کا فیصلہ تو بہرحال اس سے بہت پہلے کیا جا چکا ہوگا ـــــ اور تیسرے یہ کہ ابھی یہ واضح نہیں ہے کہ اپنے جس "آئندہ مضمون" کا اصلاحی صاحب نے اپنے مکتوب بنام مولانا سیّد وصی مظہر ندوی (شائع شدہ 'میثاق' جولائی ۷۸ء صـ۴) میں کیا تھا، وہ آیا یہی ہے جو اُن کے شاگردِ رشید کے نام سے چھپا ہے، یا اُسے اُس کے صرف ہراول دستے کی حیثیت حاصل ہے! اس لئے کہ اگر معاملہ دوسرا ہے تو بہتر ہے کہ اور جو کچھ سامنے آنے والا ہے سب آئے تاکہ پھر یکبارگی ہی مکمل جواب عرض کر دیا جائے۔

چنانچہ پیشِ نظر اشاعت میں ہم نہ اپنی مدافعت میں کچھ عرض کر رہے ہیں نہ ہی "بہترین دفاع جارحیت کی صورت میں ہوتا ہے!" کے اُصول کے تحت کوئی جوابی حملہ کر رہے ہیں (حالانکہ دین میں اُس کی رخصت اور اجازت بھی موجود ہے بموجب فرمانِ الٰہی: "لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ" اور "مثلیت" کی قید کے ساتھ حکم بھی موجود ہے، از روئے الفاظِ قرآنی: فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ") بلکہ صرف چند حسبِ ذیل بے ضرر چیزیں شائع

کر رہے ہیں :

۱- صبر و تحمل کی تلقین پر مشتمل خطوط میں سے ڈاکٹر شیر بہادر خان پنّی کا مکتوب گرامی اس لئے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف قارئین 'میثاق' کے لئے جانی پہچانی شخصیت اور مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے سچّے عاشقوں اور پختہ ارادت مندوں میں سے تو ہیں ہی اصلاحی صاحب کی تفسیر کے شائق اور قدر شناس بھی ہیں، اور راقم الحروف کی خدماتِ دینی کے معترف اور قدردان بھی !

۲- مولانا اصلاحی کا 'شاہکار' خط ـــ تاکہ قارئین 'میثاق' میں سے ان حضرات کی حیرانی و پریشانی دُور ہو سکے جو دو ماہ سے اس کا ذکر تو سُن رہے ہیں، لیکن یہ نہیں جانتے کہ اُس میں ہے کیا !

۳- اصلاحی صاحب کے خط پر ڈاکٹر عبداللطیف خان (سابق کویت و حال کراچی) کا فوری اور حد درجہ سبق آموز ردِّ عمل ـــ واضح رہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف بمع اپنی اہلیہ محترمہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کے مؤسّسین میں بھی شامل ہیں اور اصلاحی صاحب کے ساتھ بھی جس نوعیّت کے تعاون کا معاملہ اُن کا رہا ہے، اس کا کسی قدر اندازہ اصلاحی صاحب کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے جو تفسیرِ تدبّر قرآن کی جلد چہارم کے دیباچے میں شامل ہیں ـــ یعنی :

"اِس ذیل میں اپنے ایک مخلص کرم فرما کے لئے بھی دُعا کی درخواست کرتا ہوں، جناب ڈاکٹر عبداللطیف خان صاحب اِس کتاب کے اوّلین قدر دانوں میں سے ہیں، وہ پہلے کویت میں تھے لیکن اب کچھ عرصہ سے کراچی آ گئے ہیں۔ ادھر اُن کی صحت برابر خراب چل رہی ہے۔ اللہ کی کتاب کے ساتھ ان کو سچّا عشق ہے اور میں بے تکلّف عرض کرتا ہوں کہ 'تدبّرِ قرآن' کی صورت میں اگر کتابِ الٰہی کی کوئی خدمت سرانجام پائی ہے تو اس خدمت کی سب سے زیادہ حوصلہ افزائی، ہر پہلو سے انہی نے کی ہے۔ اس بر سے وہ حقدار ہیں کہ کتاب کے قارئین ان کی صحّت و عافیت کے لئے دعا کریں !"

۴- "وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ !" کے عنوان سے شائع شدہ ایک چار ورقے سے بعض اقتباسات جو مسجدِ شہداء میں جمعہ کی نماز کے موقع پر اصلاحی صاحب کے خط کی تقسیم عام سے

پیدا شدہ صورتِ حال سے فوری طور پر نپٹنے کے لئے اسی مسجد کے نمازیوں اور راقم کے حلقۂ درس کے شرکاء میں سے ایک صاحب (میاں عبدالمجید) نے شائع کیا۔

علاوہ ازیں — اس شمارے میں اس قضیۂ نامرضیہ سے متعلق دو چیزیں اور شائع ہو رہی ہیں :

ایک مولانا قاری محمد طیب مدظلہ کی ایک تقریر سے بعض اقتباسات۔ اللہ تعالیٰ قاری صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی لاہور میں اس نوع کی متعدد تقاریر کے نتیجے میں ایک خاص حلقے کے علمائے کرام کی مخالفانہ مہم کے جوش و خروش میں بہت کمی آ گئی ہے — اور

دوسرے مولانا سید وصی مظہر ندوی کی ایک تحریر جو موصوف نے خالصتاً ازخود حوالۂ قلم کی، بغیر اس کے کہ اس میں راقم یا راقم کے رفقاء میں سے کسی کی جانب سے کسی بھی نوعیت کی کسی تحریک کو دخل ہو — بہرحال ہم اسے مولانا کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں، اس لئے کہ مولانا موصوف کے اس خط کے مانند جو گذشتہ شمارے میں شائع ہوا تھا ان کی اس تحریر میں بھی بعض نہایت اہم شہادتیں موجود ہیں۔

(۱)

مکتوبِ گرامی ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی بنام ڈاکٹر اسرار احمد

محترمی ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

'میثاق' ابھی ملا۔ ملتے ہی "عرضِ احوال" پڑھا۔ آپ نے ایک اہلِ علم (جو آج تک آپ کی ارادت و محبت کا مرکز رہا) کے اعتراضات کا جواب تُرکی بہ تُرکی نہ دینے کا فیصلہ کر کے، بہت بڑے ظرف کا ثبوت مہیا فرمایا۔ جزاک اللہ آپ سے یہی توقع تھی۔ ؎؎

ہم عصروں نے تو پیغمبروں پر بھی ایسے ہی اعتراض کئے، اور اس طرح اہلِ علم حامی حضرات پر بھی۔ اگر آپ پر یہ اعتراضات نہ ہوتے تو یہ بات خلافِ معمول ہوتی آپ اپنے قیمتی وقت کو اپنے مشن دعوت و تبلیغ میں صرف فرمائیں، اور ایسے اعتراضات کے جواب میں کہیں ؎

ز مینِ عشق بہ کونین صلح کُل کردیم — تو خصم باش و ز ما دوستی تماشا کُن

میرے محبوب مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے اعتراضات کا جواب

ان الفاظ میں دیا تھا: "میرے بارے میں کسی نہ کسی طرح دو رائیں بنتی چلی گئیں۔ کچھ لوگ مجھ سے ارادت رکھتے ہیں اور یہ اُن کے دل کی قیاضی ہے۔ بعض لوگ مجھے دُشنام سے یاد کرتے ہیں اور یہ اُن کے دل کی ناراضی ہے۔ مَیں کیا ہوں اور کیا نہیں، اِس کا فیصلہ آج نہیں کل ہوگا۔ مَیں نے اپنی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح لوگوں کے سامنے رکھ دی ہے۔ یہ اوراق انہیں اس امر کا فیصلہ کرنے میں مدد دیں گے، کہ مَیں کتنا بُرا اور کتنا اچھا ہوں؟"

آپ بھی اپنے مشن سے کام رکھیں، خدا آپ کو اس میں کامیاب فرمائے آمین۔ میری صحت دن بدن گر رہی ہے۔ بیماری تو کوئی نہیں لیکن "مَنْ نُعَمِّرْهُ" کا عمل دخل اپنا کام کر رہا ہے۔ یکم اکتوبر کو ۸۰ کی منزل طے ہو جائے گی۔ نسیان اور کمزوری زیادہ ہو گئی ہے۔ دُعا فرمائیں کہ انجام بخیر ہو اور چارپائی پر دراز ہونے سے بچ جاؤں۔ والسّلام ؛ دُعا کا محتاج : شیر بہادر خاں

(۲)

مولانا امین احسن اصلاحی کا شاہکار خط

جو

"ڈاکٹر اسرار احمد"

جناب مولانا امین احسن اصلاحی

"صاحب تفسیر 'تدبر قرآن' کی نظر میں"

کے عنوان سے ایک دو ورقے کی صورت میں پہلے "مجلس صیانۃ المسلمین، پاکستان، لاہور!" کی جانب سے اور پھر "انجمن اصلاحِ معاشرہ ماڈل ٹاؤن لاہور" کے نام سے ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا۔ اور لاہور کی بڑی بڑی مرکزی مساجد اور بالخصوص اُن علاقوں میں بڑے منظم طریقے سے تقسیم ہوا، جہاں راقم کے حلقہ ہائے درسِ قرآن قائم ہیں یا رہے ہیں۔ جیسے کرشن نگر (اسلام پورہ)، سمن آباد، مال روڈ اور ماڈل ٹاؤن ـــــ ماڈل ٹاؤن میں تو ایک بہت دلچسپ صورت یہ رہی کہ مختلف بلاکوں میں سیرت کے موضوع پر

راقم کی تقاریر کے سلسلے میں ہر جمعہ کی شام کو جس مسجد میں تقریر ہوتی ہوتی تھی، اس میں جمعہ کی نماز کے بعد یہ دو ورقہ تقسیم ہوتا تھا۔ اور ہر نمازی کو صرف ایک ایک نہیں دیا جاتا تھا بلکہ اُس کے تھقّے کے تھقّے تھما دیے جاتے تھے کہ وہ اپنے طور پر مزید تقسیم کرے۔ (محتاط ترین اندازے کے مطابق یہ دو ورقہ مجموعی طور پر کم از کم بیس ہزار کی تعداد میں شائع ہوا!) —— شائع کرنے والے اداروں میں سے پہلے نے تو پھر بھی کم از کم اپنے سرپرستوں کی حیثیت سے بعض علماءِ کرام کا نام بھی شائع کر دیا تھا۔ اگرچہ شائع کرنے والے لوگوں کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض ایک حوالے کے انداز میں —— دوسرے ادارے نے تو حد کر دی کہ نہ کسی کا نام شائع کیا اور نہ ہی کوئی پتہ دیا جس پر رابطہ قائم کیا جا سکے۔ یہاں تک کہ اس پر پریس تک کا نام موجود نہیں ہے جو پریس ایکٹ کی رُو سے صریح جرم ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اِس مقدس جہاد میں شامل لوگوں کی اخلاقی جراُت کا کیا عالم ہے!

واضح رہے کہ یہ خط مولانا نے لاہور ہی میں اپنے خویش، برادرم نعمان علی صاحب کے مکان سے تحریر فرمایا ہے جو واپڈا آفیسرز کالونی، ایرمال میں واقع ہے اور اُس کے مکتوب الیہ بقول اصلاحی صاحب "بھانت بھانت کے مولویوں!" (بحوالہ مکتوب مولانا سیّد وصی مظہر ندوی، شائع شدہ 'میثاق'، جولائی ۷۸ء صفحہ ۶۲) کی بھی تیسری یا چوتھی صف کے فرد ہیں جو اسی کالونی کی مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ گویا یہ خط سیرِ قلم ہی اس پیشگی قرارداد کے تحت ہوا ہے کہ اُسے وسیع پیمانے پر شائع کیا جائے گا ورنہ اِن مولوی صاحب کو اگر صرف اپنی رہنمائی کے لئے مولانا کی رائے مطلوب ہوتی تو ایک ہی آبادی میں سَو گز کے لگ بھگ فاصلہ پر مقیم ہونے کی صورت میں خط و کتابت کے تکلّف کی ہرگز کوئی حاجت نہ تھی —— (رہی قدرت کی ایک دوسری ستم ظریفی، کہ یہ مولوی صاحب خیر سے رشتے میں ان بزرگ عالمِ دین کے نواسے ہوتے ہیں جنھوں نے اصلاحی صاحب کے اُستاد اور مُربّی مولانا حمید الدّین فراہیؒ کے خلاف کُفر کا فتویٰ دیا تھا —— تو اس پر اِن شاء اللہ اگر ضرورت ہوئی تو آئندہ مفصّل گفتگو ہوگی کہ تاریخ اپنے آپ کو کس طرح دُہرا رہی ہے اور اس کے اعتبار سے راقم الحروف کا مقام اس وقت کہاں ہے اور اصلاحی صاحب کا کہاں! —— اور یہ کہ اس گٹھ جوڑ میں "حُبِّ علیؓ" کا شائبہ نام کو بھی موجود نہیں بلکہ یہ کُل کا کُل "بُغضِ معاویہؓ" کا شاخسانہ ہے!) اس تمہیدی تعارف کے بعد وہ شاہکار خط ملاحظہ ہو:

"مولانا المکرم زاد لطفہ'
السّلام علیکم و رحمۃ اللہ ۔ ڈاکٹر اسرار سے متعلق آپ کا سوال نامہ موصول ہوا۔ یہ شخص میرا شاگرد تو کبھی نہیں رہا ہے، شاگردی کا اشتہار اس نے محض اپنے اغراض کے لئے دیا ہے، لیکن یہ ایک طویل عرصہ تک مجھ سے متعلق ضرور رہا ہے، اس بنا پر میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ شخص ہر مسلک کے علماء سے نہایت عقیدت و احترام سے ملتا ہے اور ان کو یہ تاثر دیتا ہے کہ وہ اُن سے علم اور تربیت کا طالب ہے۔ لیکن حقیقت میں اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ان کو اپنے جلسوں میں بُلا کر اُن سے تعلق کا اظہار کر کے عام مسلمانوں کے اندر اپنا اعتماد و رسوخ بڑھائے ۔"

میں نے اس کی تحریروں سے یہ اندازہ کیا ہے کہ یہ محمد علی لاہوری (قادیانی) کے ترجمۂ قرآن اور قادیانیوں کے نظام سے بہت متاثر ہے (یہ امر واضح ہے کہ اس نے اپنے رسالہ میں قادیانیوں کی خدمتِ قرآن کی تعریف کی ہے!) اس نے جو انجمن قائم کی ہے اُس میں بھی اس نے قادیانیوں کے نظام کی تقلید کی ہے، اور اس میں اپنا مقام اس نے وہی رکھا ہے جو قادیانیوں کے نظام میں اُن کے خلیفہ کا ہے۔ اُس نے دین سے بالکل بے خبر ہونے کے باوجود اپنے رسالہ میں متعدد ایسے مسائل چھیڑے ہیں، جو خاص طور پر اُن لوگوں کی دلچسپی کے ہیں، جو کوئی دعویٰ لے کر اُٹھنے والے ہوں۔

اُس کا لب و لہجہ بھی مرزا غلام احمد کی طرح نہایت مدّعیانہ بلکہ سفیہانہ ہے میں اس کی اس طرح کی باتوں پر برابر تنبیہ بلکہ سرزنش بھی کرتا رہا ہوں لیکن اس نے ہمیشہ وقتی طور پر معذرت اور احتیاط کا وعدہ کر کے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی یہاں تک کہ اب سے کئی سال پہلے میں نے اس سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ لیکن یہ غلطی مجھ سے ضرور ہوئی اس شخص کی اطمینان دہانیوں پر اعتماد کر کے میں نے پبلک میں اپنی بیزاری کا اعلان نہیں کیا۔ جس کے سبب سے بعض حلقوں میں اب بھی یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ میں اُس کا سرپرست ہوں۔ حالانکہ میں اس شخص سے بالکل بری ہوں۔

مجھے گمان تھا کہ اس شخص کے پاس نہ علم ہے، نہ کردار۔ اِس وجہ سے

متعلق اکثر سوالات آ رہے ہیں۔ اِس وجہ سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ میں ملک کے عُلماء اور مسلمانوں کو آگاہ کر دوں کہ اگر اس شخص کو ذرا بھی قدم جمانے کا موقع ملا تو سخت خطرہ ہے کہ وہ اِس ملک میں قادیانیوں کے طرز کا کوئی فتنہ اُٹھا دے۔

میں اِس مسئلہ پر غور کر رہا ہوں، اور آپ سے توقّع رکھتا ہوں کہ آپ بھی حالات کا جائزہ لیتے رہیں گے اور دوسرے علماء کو اِس کی طرف توجّہ دلائیں گے۔ والسّلام امین احسن اصلاحی لاہور ۱۶/اپریل ۱۹۷۸ء"

(یہ خط لاہور میں تو وسیع پیمانے پر تقسیم ہوا ہی تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بذریعہ ڈاک بھی اسے دُور دُور تک پہنچایا گیا، اور اس پر بھی اکتفا نہیں کی گئی بلکہ بہت سے مذہبی جرائد نے بھی اسے "تبرّگا" شائع کیا۔ اِس لئے کہ یہ آج ہی کی بات نہیں ہمیشہ کی رِیت ہے کہ بھلائی کی بات سُننے پر تو کم ہی لوگوں کے کان آمادہ ہوتے ہیں 'بُرائی' کو اُچک لینے کے لئے اکثر لوگوں کے کان ہمیشہ آمادہ ہی نہیں بے تاب رہتے ہیں! اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اِن مذہبی جرائد کے کارپردازوں نے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ .... (الآیہ) اور: کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ (الحدیث) کی کیا توجیہ اپنے ذہنوں میں کر رکھی ہے!)

(۳)

ڈاکٹر عبداللّطیف خاں صاحب کا دلچسپ مگر سبق آموز ردِّ عمل

ڈاکٹر صاحب موصوف کا تعارف تو اوپر کرایا ہی جا چکا ہے۔ اُن کو جب یہ خط رفیقِ مکرّم قاضی عبدالقادر صاحب نے پڑھنے کو دیا تو اُن کا فوری ردِّ عمل یہ تھا کہ: "یہ خط ہرگز مولانا اصلاحی کا نہیں ہو سکتا، یہ یقیناً جعلی ہے!" اِس پر قاضی صاحب نے اُن کی توجّہ اصلاحی صاحب کے اصل خط کے عکس کی جانب مبذول کرائی جسے شائع کُنندگان نے غالباً اِسی خطرے کے سدِّباب کے لئے شاملِ اشاعت کر دیا تھا کہ کوئی معقول شخص یہ باور کرنے کو آمادہ ہی نہ ہوگا کہ یہ 'شاہکار' خط صاحبِ تفسیرِ تدبّرِ قرآن' کا ہو سکتا ہے ـــــ تو ڈاکٹر صاحب نے مولانا کے اندازِ تحریر کو پہچان کر دوسری بات جو کہی وہ یہ تھی کہ ـــــ: "یہ یقیناً مولانا سے زبردستی لکھوایا گیا ہے، بطورِ خاطر وہ ہرگز

قاضی صاحب نے وہ خط ڈاکٹر صاحب کو دیا کہ اپنے پاس رکھ لیں تو انہوں نے فرمایا کہ: "بھائی! اسے ساتھ ہی لے جاؤ، میرے اللہ اتنی ہمت نہیں کہ اسے دوبارہ پڑھ سکوں!" ـــــ کاش! اصلاحی صاحب غور کر سکیں کہ کچھ ناعاقبت اندیش لوگوں کے زیرِ اثر وہ جو کچھ کر رہے ہیں، اُس سے اُن کے کتنے ارادت مندوں اور بہی خواہوں کے دل زخمی اور جگر کباب ہوئے ہیں ـــــ اور ہو رہے ہیں!

اِسی موقع پر ایک اور صاحب کا تاثر نقل کرنا بھی غالباً بے محل نہ ہوگا، ـــــ مسجدِ شہداء لاہور کی مجلسِ منتظمہ کے ایک سرگرم اور فعّال رُکن چودھری عبدالحکیم صاحب نے ایک مرتبہ تو بہت زور دے کر راقم سے کہا کہ: "آئندہ آپ کے درس کے موقع پر انجمن خدام القرآن لاہور کی مطبوعات کا جو سٹال مسجد کے باہر لگتا ہے اُس میں اصلاحی صاحب کی کوئی تصنیف شامل نہیں ہونی چاہیئے!" ـــــ اور دوسرے بڑے گہرے تأسف کے ساتھ کہا کہ: "آپ کے بار بار ذکر کرنے سے مَیں نے 'تدبّرِ قرآن' کی جلد اوّل خرید لی تھی، اور بڑے شوق سے اُس کا مطالعہ کر رہا تھا ـــــ لیکن جب سے اصلاحی صاحب کا یہ خط پڑھا ہے، اُس کی طرف دیکھنے کو بھی طبیعت آمادہ نہیں ہوئی۔ آئندہ کسی جلد کے خریدنے کا سوال ہی کیا!"

(۴)

"وُہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ!"

شائع کردہ:- (میاں) عبدالمجید ۱۷۔ گلبرگ روڈ شادمان کالونی ـــ لاہور

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے عنوانِ مندرجہ بالا کے تحت ایک چار ورقہ مسجدِ شہداء میں نمازِ جمعہ کے موقع پر اور اردگرد کے علاقوں یعنی مال روڈ، بیڈن روڈ، ہال روڈ اور ٹمپل روڈ وغیرہ کی دوکانوں پر اصلاحی صاحب کے مطبوعہ خط کی وسیع پیمانے پر تقسیم سے پیدا شدہ صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے فوری طور پر چھاپا گیا تھا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب مسجد کے نمازیوں اور علاقہ کے لوگوں میں ایک عام تشویش کی کیفیت پیدا ہو گئی تو مسجدِ شہداء کی مجلسِ منتظمہ کا ایک اجلاس اس صورتِ حال پر غور

کسی درجہ میں واقف تھی، تاہم اصل مسئلہ یہ تھا کہ عوام کے اطمینان کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے۔ اتفاقاً مجلس منتظمہ کے ایک رکن 'میثاق' کے پڑھنے والے بھی تھے، انہوں نے کہا کہ اصلاحی صاحب تو ڈاکٹر صاحب کی تعریفیں بھی بہت کرتے رہے ہیں! اس پر باقی لوگوں نے اُن سے حوالہ طلب کیا، اُنہوں نے فون پر راقم سے مدد چاہی۔ چنانچہ راقم نے فوری طور پر چند ایک حوالے ارسال کر دیئے۔ جس پر مجلس منتظمہ کے اکثر ارکان نے کہا کہ اسے فوراً طبع کرا کے تقسیم کیا جائے۔ اس کام کا ذمہ ایک ایسے صاحب نے لیا جن سے راقم کا تعارف کچھ زیادہ قدیم نہ تھا لیکن انہوں نے مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے اس دو ماہی درس میں پابندی سے شرکت کی تھی جو اُن دنوں مسجد شہداء میں جاری تھا۔ اور جنھیں اس معاملے سے غیر معمولی دلچسپی ہو گئی تھی۔ چنانچہ وہ چار ورقہ مرتب ہوا جسے انہوں نے ہی شائع کرایا۔ اور پھر جب مسجد شہداء کی منتظمہ نے فیصلہ کیا کہ چند ارکان مجلس پر مشتمل ایک وفد اصلاحی صاحب کے پاس جا کر تفصیلاً سمجھنے کی کوشش کرے کہ اصل معاملہ کیا ہے تو اُن ہی صاحب نے اپنی کار اس مقصد کے لئے پیش کی اور اس طرح اس وفد کے ساتھ جانے کی صورت بھی پیدا کر لی ـــــ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ یہ حضرات اصلاحی صاحب سے مل کر واپس آئے تو عام تاثر یہ تھا کہ "بات کچھ بھی نہیں، صرف کوئی ذاتی پرخاش معلوم ہوتی ہے"۔ نتیجۃً بعد میں اس موضوع پر مجلس منتظمہ کے اجلاس میں کوئی گفتگو کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی گئی ـــــ یہ عرض کرنا تحصیل حاصل ہے کہ یہ تدبیر کارگر رہی اور مسجد شہداء اور اُس کے اطراف و جوانب میں پیدا شدہ بے اطمینانی کی لہر ع "چڑھی ہے یہ آندھی اُتر جائے گی" کے مصداق ایسے بیٹھ گئی کہ جیسے کبھی تھی ہی نہیں!

اِس چار ورقے میں انداز لامحالہ کسی قدر "تُرکی بہ تُرکی" والا بھی تھا۔ اس وقت اسے حذف کرتے ہوئے صرف وہ اقتباسات درج کئے جا رہے ہیں، جن سے اصلاحی صاحب کے ساتھ راقم کے لگ بھگ پچیس ۲۵ سالہ نہایت قریبی تعلقات میں سے کم از کم بیس ۲۰ سال کے دوران کا وہ نقشہ پوری طرح سامنے آجاتا ہے جس میں ع "من تو شدم تو من شدی!" والا معاملہ رہا

★

(۱) دسمبر ۵۶ء

میں جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں ڈاکٹر صاحب کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے اصلاحی صاحب نے کہا:

"اگرچہ اس شخص نے خود مجھ پر بہت سخت تنقید کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجھے اس سے خوشی ہی ہوئی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمام اراکین شوریٰ اس بیان کو پڑھیں، حقیقت یہ ہے کہ اس شخص نے ہماری ہی تحریروں سے مرتب کر کے ایک آئینہ ہمارے

نگاہوں کے سامنے لا رکھا ہے جس میں ہم اپنی موجودہ صورت دیکھ سکتے ہیں۔[1] ''

(ماخوذ از 'میثاق'، لاہور، اشاعت اگست ۱۹۶۶ء زیرِ سرپرستی مولانا امین احسن اصلاحی)

(۲) دسمبر ۱۹۵۸ء کے مرقومہ ایک ''محبت نامے'' سے اقتباس جو اصلاحی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو کراچی ارسال کیا جب کہ وہ منٹگمری (حال ساہیوال) سے جماعت اسلامی کے ایک اور سابق رکن ڈاکٹر عثمانی صاحب کے ساتھ اشتراکِ عمل کے ارادے سے کراچی منتقل ہو گئے تھے:

''آپ کے اس خفیہ اقدام کی اطلاع سیال صاحب سے مجھے ہو چکی تھی بہرحال جو کچھ آپ نے کیا، اچھا کیا۔ خدا کرے آپ کے مقاصد وہاں پورے ہوں، اور آپ کو وہاں دلجمعی کے ساتھ کچھ لکھنے پڑھنے کی فرصت ملے۔ ڈاکٹر صاحب کی رفاقت ان شاء اللہ آپ کے لئے موجبِ خیر و برکت ہو گی۔ فرزانوں کے ساتھ نباہ مشکل ہوتا ہے، دیوانے گذارے جاتے ہیں۔ آپ دونوں دیوانے ہیں ع خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو! مجھے جو احساس ہے وہ صرف یہ کہ آپ مجھ سے دور ہو گئے۔ آپ سے ایک قلبی لگاؤ سا ہو گیا ہے، اس وجہ سے اس بات سے تھوڑی سی تکلیف ہے کہ میں نے جتنا کھینچنا چاہا، اُتنے ہی آپ کھنچتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ کھنچتے کھنچتے کراچی پہنچ گئے۔ خیر صاحب! جہاں رہو سلامت رہو اور دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھو.......''

(۳) مئی ۱۹۶۲ء 'میثاق' کے ادارتی صفحات میں ساہیوال میں ڈاکٹر صاحب کی دینی سرگرمیوں اور ان میں اپنے تعاون کا ذکر کرتے ہوئے اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:۔ (واضح رہے کہ اُس وقت 'میثاق' کے مالک بھی اصلاحی صاحب ہی تھے اور مدیر بھی!):

''ہمارے عزیز بھائی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے منٹگمری شہر میں کچھ عرصہ سے ایک حلقہ مطالعہ قرآن جاری کر رکھا ہے۔ اس کے زیرِ اہتمام ہفتہ وار درسِ قرآن بھی ہوتا ہے اور وقتاً فوقتاً اسلامی مباحث پر علمی و تحقیقی لیکچروں کے لئے باہر کے اصحابِ علم کو بھی دعوت دی جاتی ہے۔ اس کی دعوت پر دو مختلف وقتوں میں دو لیکچر ''تدبرِ قرآن کے آداب و شرائط اور'' ''قرآن کا فلسفہ تاریخ'' کے عنوان سے راقم

---

[1] خدا کا شکر ہے کہ اس واقعے کی ایک علمی شہادت مولانا سید وصی مظہر ندوی کے اس مضمون

کو بھی دینے کے موقع نصیب ہوئے - ان دونوں لیکچروں میں شہر کے ذہین طبقہ کی ایک اچھی تعداد نے شرکت کی اور تقریروں سے پوری دلچسپی لی - یہ تقریریں ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ بھی کر لی گئی ہیں اور حلقہ کی طرف سے افادہ عام کی غرض سے ان کی اشاعت کی بھی سکیم ہے مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ شہر کے تعلیم یافتہ طبقہ کی دلچسپی برابر اس حلقہ کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور قرآن سے استفادہ کرنے والوں کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا ہے - اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے نہایت مفید اور بابرکت کام کی بنیاد ڈالی - یہ دور اسلام کی غربت کا دور ہے اس دور میں اللہ کے جس بندے سے دین کی جو خدمت بھی بن آئے اس میں اپنا تن من دھن لگا دے آج چھوٹی چھوٹی خدمتوں کا بھی انشاء اللہ وہ اجر ملے گا جو کل بڑی بڑی خدمتوں ہی کے لئے مخصوص تھا شرط صرف قربانی اور اخلاص نیت کی ہے -

ڈاکٹر صاحب نے اس کام کے ساتھ ساتھ ایک اور نہایت ہی مفید اور قابل تقلید کام کی بنیاد رکھی ہے —— یہ ہے ایک اسلامی دارالاقامہ کا قیام اس دارالاقامہ کا مقصد ان طلبہ کے لئے اسلامی تعلیم و تربیت کی تمام ضروری سہولتیں مہیا کرنا ہے جو مقامی کالج میں زیر تعلیم ہیں - - - "

(۴) اگست ۶۶ء میں جب اصلاحی صاحب 'میثاق' کو جاری رکھنے میں ناکام ہو گئے اور مجبوراً پرچہ ڈاکٹر صاحب کے حوالے کیا (در آں حالیکہ ڈاکٹر صاحب اپنے لئے "الرسالہ" کے نام سے علیحدہ ڈیکلریشن حاصل کر چکے تھے) تو حسب ذیل تحریر لکھی جو میثاق، بابت اگست ۶۶ء میں شائع ہوئی۔

"- - - - اب میں نے بہت سوچ بچار کے بعد رسالے کو کلیۃً برادرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے حوالہ کر دیا ہے - ڈاکٹر صاحب سلمہٗ ایک ذہین، سرگرم، اسلامی ذہن و فکر رکھنے والے نوجوان اہل قلم ہیں - مجھے امید ہے کہ وہ نہ صرف رسالے کو پابندی کے ساتھ جاری رکھ سکیں گے بلکہ میں ان کی محنت اور قابلیت سے یہ توقع بھی رکھتا ہوں کہ وہ صوری اور معنوی دونوں ہی اعتبار سے اس کے معیار کو اونچا کریں گے - دعا کیجئے کہ میری یہ توقع پوری ہو - ڈاکٹر صاحب ابتدا سے نہ صرف اس کے قدردانوں میں سے ہیں بلکہ برابر اس کے معاونوں میں سے رہے ہیں - جس مقصد کے لئے یہ پرچہ نکالا گیا تھا وہ جس طرح مجھے عزیز ہے اسی طرح انہیں بھی عزیز

ہے - اس وجہ سے مقصد کے معاملے میں بھی کسی رجعت یا انحراف کا کوئی اندیشہ نہیں ہے - بلکہ توقع یہ ہے کہ اس پہلو سے بھی اس میں ترقی ہوگی - جو رفقاء اب تک اپنے قلمی تعاون سے میرا ہاتھ بٹاتے رہے ہیں وہ انشاء اللہ بدستور ڈاکٹر صاحب کا بھی ہاتھ بٹاتے رہیں گے -

اس سلسلے میں یہ خوشخبری سنانے کی سعادت بھی حاصل کر رہا ہوں کہ میری تفسیر — تدبر قرآن — کی پہلی جلد کی کتابت شروع ہوگئی ہے - یہ جلد سورہ فاتحہ، بقرہ اور آل عمران کی تفسیر پر مشتمل ہوگی - صفحات کا اندازہ کم وبیش ایک ہزار ہے - اپنے امکان کے حد تک کاتب اچھا تلاش کیا گیا ہے اور چھپائی آفسٹ کی ہوگی - توقع ہے کہ کتاب اچھی بھی چھپے گی اور جلد بھی - یہ خدمت بھی ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں انجام پا رہی ہے - دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ یہ کام تکمیل کو پہنچائے اور آگے کے کام کے لئے عزم وحوصلہ نصیب ہو"

(۵) جولائی ۶۸ء | میں 'تدبر قرآن' جلد اوّل کی طباعت کے بارے میں اصلاحی صاحب کے قلم سے نکلی ہوئی ایک تحریر جو میثاق بابت جولائی ۶۸ء میں شائع ہوئی -

"... لیکن واقعہ یہ ہے کہ کتاب کے ناشر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہٗ نے کتاب کی طباعت و کتابت اور اس کی تحسین و تزئین پر اتنی فیاضی سے روپیہ خرچ کیا ہے - کہ اس میں تجارتی پہلو بالکل نظر انداز ہوگیا ہے - ہر مصنف یہ چاہتا ہے کہ اس کی کتاب بہت اچھی چھپے - میرے اندر بھی دنیا کی دوسری خواہشوں کی طرح یہ خواہش موجود ہے - اس وجہ سے مجھے کتاب کو اس اہتمام سے چھپتے دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی - اور میں نے ڈاکٹر صاحب کے ذوق وشوق میں کوئی مداخلت پسند نہ کی - اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کتاب تو بحمداللہ اچھی چھپ گئی - جو بھی دیکھتا ہے اس کی تعریف کرتا ہے لیکن کاروباری پہلو سے اس کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں - کہ اس پر لگی ہوئی ساری رقم اگر واپس آجائے - جس کی کوئی توقع نہیں ہے تو اس رقم سے دوسری جلد کی طباعت کا انتظام ہوجائے گا ...."

(۶) مارچ ۱۷ء | ۱۵ مارچ ۱۷ء کی تحریر جو تدبر قرآن، جلد دوم کے دیباچہ میں شامل ہے :-

"... اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایک طویل انتظار کے بعد بالآخر

تدبر قرآن کی دوسری جلد کی اشاعت کی نوبت بھی آہی گئی برادر عزیز ڈاکٹر اسرار احمد سلمہٗ کتاب کے تمام قدر دانوں کے شکریہ اور ان کی تحسین کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے نہایت نامساعد حالات کے اندر نہ صرف یہ کتاب کی طباعت کا انتظام کیا بلکہ اس کے لئے اہتمام بھی وہی کچھ کیا جو پہلی جلد کے لئے کیا تھا۔ اس کتاب کی اشاعت سے مقصود الحمد للہ نہ ان کے سامنے تجارت ہے نہ کتاب کے مصنّف کے سامنے۔ مقصود صرف قرآن کی خدمت ہے اللہ تعالےٰ اس کو قبول فرمائے۔ اور جلد وہ وقت لائے کہ اس کی بقیہ جلدوں کی اشاعت کی سعادت بھی حاصل ہو۔،،

(۷) جولائی ۷۲ء میں ڈاکٹر صاحب کے کتابچے ”مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق،، کی طبع ثانی میں شائع شدہ ”تقریظ، از قلم مولانا امین احسن اصلاحی:

”یہ رسالہ جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے، برادرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہٗ نے ان حقوق و فرائض کی تشریح کے مقصد سے لکھا ہے جو ایک مسلمان پر قرآن سے متعلق عائد ہوتے ہیں۔ اس زمانے میں قرآن پر ایمان کے مدعیوں کی کمی نہیں ہے لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس ایمان کے تقاضے اور مطالبے کیا ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سلمہ نے قرآن کے دلائل کی روشنی میں ان تقاضوں اور مطالبوں کی تشریح کی ہے اور بیک نظر محسوس ہوتا ہے کہ نہایت خوبی اور جامعیت کے ساتھ تشریح کی ہے۔ اندازِ بیان نہایت دلنشین، دلائل نہایت محکم اور اسلوب خطاب نہایت ہی مؤثر اور دردمندانہ ہے۔ ہر مسلمان جو قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح بنیاد پر قائم کرنا چاہتا ہے، اس رسالے میں بہترین رہنمائی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے قلم میں برکت دے کہ وہ ایسی بہت سی چیزیں لکھنے کی توفیق پائیں۔ ہماری بہت سی عزیز امیدیں ان سے وابستہ ہیں،،

(۸) اگست ۷۲ء میں جامع مسجد خضرا سمن آباد میں دس روزہ تربیت گاہ منعقد ہوئی جس میں ڈاکٹر صاحب نے **”مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب،،** کا سلسلہ وار درس دیا اور مولانا عبدالغفار حسن صاحب نے درس حدیث دیا۔ اس کے افتتاحی اجلاس منعقدہ ۱۳ر اگست ۷۲ء سے

اِختلاف رحمت یا زحمت!

از حضرت مولانا قاری محمّد طیّب صاحب قاسمی مدظلہٗ

مولانا قاری محمد طیّب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند (بھارت) ایشیائی مسلم کانفرنس میں شرکت کے لئے پاکستان تشریف لائے تھے۔ کانفرنس سے فارغ ہوکر (جو کراچی میں منعقد ہوئی تھی) مولانا موصوف لاہور بھی تشریف لائے تھے، جہاں مختلف مقامات پر قاری صاحب مدظلہ العالی نے خطابات فرمائے تھے۔ اس ضمن میں مولانا موصوف نے بتاریخ ۲۰ر جولائی ۱۹۷۸ء مسجد عکس جمیل سمن آباد (لاہور) میں خطاب فرمایا تھا، جس میں مولانا موصوف نے سورہٗ مریم کی اس آیت کی تلاوت فرماکر ایمان، عملِ صالح اور مسلمانوں میں باہمی مودّت و الفت اور محبّت کی ضرورت پر خصوصی زور دیا تھا۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ؁ (آیت ۹۶) "یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے عنقریب رحمان اُن کے لئے دلوں میں محبّت پیدا کردے گا۔"

مولانا موصوف نے اپنے خطاب میں اس آیت کے ذیل میں مسلمانوں کو ایمان، اور عملِ صالح کی خصوصی تاکید فرمائی اور اس بات پر انتہائی زور دیا کہ مسلمانوں کی باہمی مودّت و محبّت کے لئے ایمان اور عمل صالح بمنزلہ اساس ہیں۔ مولانا کا یہ خطاب اپنی جامعیّت اور افادیّت کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ اسے جوں کا توں پورے کا پورا شائع کیا جائے۔ چنانچہ ادارہ 'میثاق' نے اس کے کیسٹ حاصل کر لئے ہیں اور ان سے پوری تقریر صفحۂ قرطاس پر منتقل کی جارہی ہے۔ سردست اس خطاب کے اُن حصّوں کا خلاصہ درج کیا جارہا ہے جس میں باہمی اختلافات کے ضمن میں صحیح طرزِ عمل کی نشان دہی کی گئی ہے۔ (ج-ر)

ایمان اس قلبی یقین کا نام ہے جو اِن غیبی اُمورِ یہ کی تصدیق سے پیدا ہوتا ہے جن کی خبر دی ہے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے۔ گویا ایمان دراصل آنحضورؐ کی تصدیق کا نام ہے۔ عملِ صالح اس ایمان کے آثار اور شہادت کا نام ہے۔ یہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد اِن کے ساتھ تمام خیر کے کام دراصل ایمان ہی کے ثمرات ہیں، جو دل میں بمنزلہ بیج اور جڑ چھپا

ہوا ہے۔ قیامت میں حق تعالیٰ سُبحانہٗ دریافت فرمائیں گے کہ تو مومن ہے؟ بندہ عرض کرے گا ہاں میں مومن ہوں۔ حق تعالیٰ سُبحانہٗ دریافت کریں گے دلیل کیا ہے، بندہ عرض کرے گا کہ میری نماز ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ اور حج ہے۔ یہ تیری راہ میں جہاد ہے، یہ تیری، اور تیرے رسول کی تعلیمات کے مطابق نیکیاں اور اعمالِ صالح ہیں، تو معلوم ہوا کہ اعمال قیامت میں ایمان کے شاہد اور گواہ بنیں گے۔ لہٰذا ایمانِ حقیقی ہے تو اس کے نتیجے میں عمل صالح لازم ہے۔ ایمان باطن میں ہے اور عملِ صالح ظاہر میں موجود ہے تو مسلمانوں کا باہمی جھگڑا ختم ہوا ان میں خود بخود محبّت اور مودّت پیدا ہوگی۔ ایمان اور عملِ صالح سے اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ ایک اختلاف ہے رائے کا، جس کے پیچھے خیر خواہی کا جذبہ ہے۔ آپ اختلاف کریں، اور اپنی اختلافی رائے دیں بشرطیکہ اُس میں خلوص ہو، یہ اختلاف لِوَجہ اللّٰہ ہو۔ ایسے اختلاف کو ہمارے سلف نے رحمت کہا ہے۔ ایک مسئلہ پر چار آدمی الگ الگ رائے دیتے ہیں، تو گویا اس رائے زنی سے چار پہلو واضح ہو گئے۔ اب امیرِ وقت ان میں سے جو رائے چاہے اختیار کرے، اس کو اجازت دی گئی ہے۔ اختلاف رائے کو مخالفت بنا لینا اور لڑائی جھگڑے کا سبب بنا لینا دینی نقطۂ نظر کے لحاظ سے بالکل غلط ہے۔ آج جن مسائل پر ایک دوسرے کی مخالفت ہو رہی ہے، لڑائی دنگا ہو رہا ہے اس کا اصل سبب اپنی اپنی انانیّت اور اپنے اپنے جذبات ہیں، جن کے اظہار کے لئے شریعت کے مسائل کو آڑ بنا لیا جاتا ہے۔ اگر ان مسائل کی خاصیت لڑنا جھگڑنا ہوتا تو ائمۂ دین اور مجتہدین میں لاٹھیاں چلتیں۔ اُن میں رائے اور تعبیر کا اختلاف تھا، یہ کون نہیں جانتا، لیکن ہر چیز اور ہر کام کے لئے حُدود مقرّر ہیں۔ آمین بالجہر بھی حدیث سے ثابت ہے اور آمین بالسِّر بھی۔ اب اس قسم کے مسائل میں جو ایک دوسرے سے جھگڑتا ہے، وہ ہوائے نفس کی پیروی کرتا ہے اس کی تہ میں حسد اور ایک دوسرے پر ورآنے کا جذبہ ہوتا ہے، اور اس کو نام دینی مسائل کا دیا جاتا ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں حقیقی ایمان پیدا کرو اور عملِ صالح اختیار کرو۔ جب ایمان پختہ ہوگا تو عمل درست ہوگا، اخلاق سنور جائیں گے اور باہمی مودّت و محبّت پیدا ہوگی۔ معمولی معمولی اختلافِ رائے پر ایک دوسرے کی مخالفت کرنا، ایک دوسرے پر تہمت لگانا، ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنا دینی خدمت نہیں ہے، بلکہ دل کا کھوٹ ہے۔ اس لئے میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ خدارا ان چیزوں سے بچئے! اختلافِ رائے اور اختلافِ تعبیر کو جائز حُدود میں رکھئے ٭

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنظیم اسلامی، انجمن خدام القرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

اور ان کی حالیہ مخالفت

از قلم : مولانا وصی مظہر ندوی (حیدرآباد)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے میرا بالواسطہ تعارف سب سے پہلے اس وقت ہوا جب راقم مرکزی مجلس شوریٰ جماعتِ اسلامی پاکستان کا رکن تھا اور ڈاکٹر صاحب اسلامی جمعیۃ طلبہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ ایک دفعہ جمعیت کی پوری مجلسِ شوریٰ کے ساتھ میں نے دیکھا کہ وہ مولانا مودودی صاحب کے پاس بعض امور میں مشورہ کر رہے ہیں۔

دوسری بار ڈاکٹر صاحب کا ذکر نہایت اہمیت کے ساتھ اس وقت سنا جب جماعتِ اسلامی پاکستان کی جائزہ کمیٹی نے اپنی رپورٹ کے ساتھ جو دستاویزات مرکزی مجلسِ شوریٰ میں پیش کیں، ان میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا وہ مفصل بیان بھی تھا جو موصوف نے جائزہ کمیٹی کے سامنے جماعتِ اسلامی کی موجودالوقت حالت کے بارے میں پیش کیا تھا اور جو بعد میں "تحریکِ جماعت اسلامی کی ایک تحقیقی مطالعہ" کے نام سے شائع ہوا۔ اُس وقت راقم نے مجلس شوریٰ میں ڈاکٹر صاحب کا نام اُن کے بیان کے حوالے سے مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے اس تبصرے کے ساتھ سُنا کہ "اس نوجوان نے جماعتِ اسلامی کے انحراف کی داستان کو جس مدلل انداز میں پیش کیا ہے، اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ اور یہ کہ خود میری تقریروں اور تحریروں سے انحراف کو جس طرح اس نے ثابت کیا ہے، اس پر میں اسے داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا" (او کما قال)

اور تیسری بار ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو دیکھنے اور سننے کا اس وقت موقع ملا،

جب یہ نوجوان ماچھی گوٹھ کے منعقدہ کل پاکستان اجتماعِ ارکان میں مولانا مودودی صاحب کے بالمقابل (شدید مخالفانہ ماحول کے اندر) اپنا استدلال پیش کر رہا تھا جبکہ مولانا مودودی صاحب سے اصولی اختلاف رکھنے والے بزرگ اُس قرارداد پر دھواں دھار تقریریں کر رہے تھے جو مولانا مودودی صاحب کی ذات پر اعتماد کے لئے پیش کی گئی تھی۔

اس کے بعد طویل عرصے تک میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور ان کی سرگرمیوں سے واقف نہ ہو سکا۔ البتہ کچھ عرصے کے بعد انجمن خدام القرآن لاہور کی بعض سرگرمیوں کی اطلاعات ملتی رہیں اور یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہو جانے والے بہت سے افراد کی طرح نہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے نصب العین کو پس پشت ڈالا نہ گوشہ گیر ہوئے اور نہ عافیت کے کسی گوشے کو پکڑ کر "خدمتِ دین" کے دل خوش کن تصور میں گم ہو گئے۔

بعد ازاں ۱۹۷۳ء سے ڈاکٹر صاحب کے کاموں سے قریبی واقفیت حاصل ہونا شروع ہوئی۔ ۱۹۷۵ء میں قرآن کانفرنس کے ایک اجلاس کی صدارت کرنے کا بھی اتفاق ہوا اور پھر اس کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو قریب و بعید سے دیکھنے کے بہت سے مواقع ملے۔

راقم تنظیمی لحاظ سے اگرچہ نہ انجمن خدام القرآن سے منسلک ہے اور نہ تنظیم اسلامی میں شامل ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ڈاکٹر صاحب دونوں تنظیموں کے ذریعے نہایت مفید کام انجام دے رہے ہیں۔ تنظیم اسلامی کی تاسیس سے قبل میں نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ کسی طرح جماعت اسلامی اور ڈاکٹر صاحب کی سرگرمیوں کو باہمی تصادم سے بچایا جائے۔ بدقسمتی سے جماعت اسلامی کے اندر بعض ان اصحاب کو جن کو جماعت کے اندر میرا وجود گوارا نہ تھا، میری ان کوششوں کے غلط معنی پہنانے کا ایک خداداد موقع ہاتھ آ گیا چنانچہ وہ لوگ جماعت کے اندر میرے خلاف غلط فہمی کی فضا پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح توافق پیدا کرنے کی یہ کوشش ناکام ہو گئی۔ اِدھر ڈاکٹر صاحب نے بھی انجمن سے آگے بڑھ کر تنظیم اسلامی کی تاسیس کر ڈالی۔

لہ جماعت اسلامی نے ۱۹۵۵ء کے سالانہ اجتماع ارکان منعقدہ کراچی میں جماعت کی دینی، اخلاقی اور دعوتی حالات کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی تھی جس کے سربراہ محترم جناب محمد عبدالجبار غازی صاحب اور ارکان میں جناب مولینا عبدالغفار حسن صاحب، مولانا عبدالرحیم اشرف صاحب اور شیخ سلطان احمد صاحب شامل تھے۔ جماعت اسلامی پاکستان کی تاریخ میں یہ کمیٹی "جائزہ کمیٹی" کے نام سے مشہور ہے۔

تنظیم اسلامی کے قیام کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بجا طور پر توقع رکھتے تھے کہ میں اس تنظیم میں شامل ہو جاؤں گا، چونکہ اس تنظیم کی بنیاد اس قرارداد اور قرارداد کی ان توضیحات پر رکھی گئی تھی جس کی ترتیب، تسوید اور تبییض میں خود حضرت مولانا امین احسن صاحب اصلاحی مدظلہ، مولانا عبدالغفار حسن صاحب اور شیخ سلطان احمد صاحب جیسے میرے معتمد علیہ اصحابِ فکر و نظر شریک تھے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی یہ توقع اس وجہ سے بھی بیجا نہیں تھی کہ اس تنظیم کی اساس کسی سیاسی مقصد کے حصول کے بجائے ایمانیات کے استحکام اور فرد کے تزکیہ اور تربیت پر رکھ کر ان کوتاہیوں کی تلافی کا شعوری اہتمام کیا گیا تھا جو بعض دیگر اسلامی جماعتوں میں پائی جاتی ہیں (جن میں سے بعض کے ساتھ تیئیس ۲۳ سال کی رفاقت کے بعد ان کوتاہیوں کے نتائج میرے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکے ہیں)

لیکن متعدد اسباب کی بنا پر میں اب تک تنظیم میں باقاعدہ شامل نہ ہو سکا تاہم اس کے ساتھ اس حد تک فکری ہم آہنگی محسوس کرتا رہا ہوں کہ اپنی بساط کے مطابق جو تعاون کر سکتا ہوں، کرتا رہتا ہوں حتیٰ کہ ایک بار جب ڈاکٹر صاحب نے تنظیم اسلامی کے "حلقۂ مستشارین" میں شرکت کی مجھے دعوت دی تو میں نے اس کو بلا پس و پیش قبول کر لیا۔

تنظیم اسلامی میں باقاعدہ شرکت نہ کرنے کے اسباب میں بعض ذاتی حالات و مسائل کے علاوہ طریقِ تنظیم کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کے نقطۂ نظر سے اختلاف بھی شامل ہے۔ بہر حال یہ اختلاف یا بعض واقعات و نظریات کے بیان میں ڈاکٹر صاحب کے طریقِ تعبیر سے اختلاف کبھی بھی میرے نزدیک اس درجے کے نہ تھے کہ ان کے باعث ڈاکٹر صاحب کے اعلیٰ مقاصد اور نہایت مفید کام کے ساتھ تعاون سے گریز کیا جائے۔

لیکن اس وقت میری حیرت اور افسوس کی انتہا نہ رہی جب ڈاکٹر صاحب کی اس مخالفت میں جو بعض کاروباری اصحاب نے اپنے دینی کاروبار کو نقصان پہنچتے دیکھ کر شروع کی تھی، حضرت مولانا امین احسن اصلاحی صاحب مدظلہ نے بھی شرکت کرنا پسند فرمالیا۔ مولانا اصلاحی صاحب کی اس مہم میں شرکت متعدد پہلوؤں سے نہ صرف تعجب انگیز بلکہ حد درجہ افسوس ناک بھی۔ اسی لئے مولانا موصوف سے جو قلبی تعلق راقم کو رہا ہے

اس کی بنا پر بے چین ہو کر اُس نے ایک عریضہ اُن محترم کی خدمت میں ارسال کیا[1]۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کا کوئی مفید نتیجہ نکلنے کے بجائے اب مولانائے محترم کے ایک شاگرد کی جانب سے مزید پمفلٹ بازی کا سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا ہے۔

حضرت مولانا اصلاحی صاحب کی جانب سے یہ مخالفت اولاً تو اس پہلو سے نہایت تکلیف دہ ہے کہ "دینی عناصر" کی ہوا خیزی کا جو عمل مغربی استیلاء کے بعد سے جاری ہے، اس میں مولانا اصلاحی صاحب جیسا صاحب فکر و نظر انسان بھی اُن مدعیان علم دین کی صف میں نظر آنے لگا، جن کی ناوک زنی نے کسی کام کرنے والے کو نہ بخشا اور جن کی کم فہمیوں سے اعدائے اسلام و مسلمین نے ہمیشہ استفادہ کیا۔

مولانا اصلاحی صاحب کی یہ مخالفت اس پہلو سے بھی سخت افسوس ناک ہے کہ دورِ حاضر میں اسلوب قرآنی کی نقاب کشائی اور قرآنی علم کلام کے اصولوں کی تاسیس کرنے والے عظیم مفسرِ قرآن حضرت مولانا حمید الدین فراہیؒ کی فکر کو جو قبول عام ڈاکٹر اسرار احمد کے توسط سے حاصل ہو رہا ہے۔ اس کو بھی اس مخالفت سے نقصان پہنچنے کا شدید اندیشہ ہے۔

ثالثاً اس پہلو سے بھی یہ مخالفت سخت موجب حیرت و تاسف ہے کہ مولانا اصلاحی صاحب مدظلہ نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی شخصیت اور ان کے کام کو بارہا سراہا ہے اور ان کی مجموعی طور پر توثیق کی ہے۔ ان کے ایک وکیل کا یہ قول کہ "کسی کے کسی جزئی کام کی تعریف سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے تمام کام درست ہیں" سراسر غلط ہے۔ کیونکہ مولانا موصوف نے محض کسی جزئی کام کی تعریف نہیں کی ہے بلکہ ڈاکٹر صاحب اور ان کے مجموعی کام کے بارے میں اپنے تاثرات کا ایک سے زائد بار اظہار کیا ہے۔ مثلاً مولانا نے میثاق ڈاکٹر صاحب کے سپرد کرتے وقت تحریر فرمایا:۔

"اب میں نے بہت سوچ بچار کے بعد رسالے کو کلیتہً برادرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے حوالے کر دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب سلمہٗ ایک ذہین، سرگرم، اسلامی ذہن و فکر رکھنے والے نوجوان اہل قلم ہیں"۔

مولانا نے ڈاکٹر صاحب کی سرگرمیوں کی ان الفاظ میں بھی تحسین فرمائی:۔

---

[1] یہ عریضہ "میثاق" کے جولائی ۷۸ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔

۲ - اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے نہایت مفید اور بابرکت کام کی بنیاد ڈالی - یہ دور اسلام کی غربت کا دور ہے اس دور میں اللہ کے جس بندے سے بھی دین کی جو خدمت بھی بن آئے اس میں اپنا تن من دھن لگا دے آج چھوٹی چھوٹی خدمتوں کا بھی ان شاء اللہ وہ اجر ملے گا جو کل بڑی بڑی خدمتوں ہی کے لئے مخصوص تھا"

۳ - مولانا موصوف نے ڈاکٹر صاحب کی تالیف "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" پر جو تقریظ تحریر فرمائی تھی اس ان خیالات کا اظہار فرمایا تھا :-

"یہ رسالہ، جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے برادرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہٗ نے ان حقوق و فرائض کی تشریح کے مقصد سے لکھا ہے جو ایک مسلمان پر قرآن سے متعلق عائد ہوتے ہیں - اس زمانے میں قرآن پر ایمان کے مدعیوں کی کمی نہیں لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس ایمان کے تقاضے اور مطالبے کیا ہیں - ڈاکٹر صاحب موصوف نے قرآن کے دلائل کی روشنی میں ان تقاضوں اور مطالبوں کی تشریح کی ہے - اور بیک نظر محسوس ہوتا ہے کہ نہایت خوبی اور نہایت جامعیت کے ساتھ تشریح کی ہے - انداز بیان نہایت دلنشین ، دلائل نہایت محکم اور اسلوب خطاب نہایت ہی موثر اور دردمندانہ ہے - ہر مسلمان جو قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح بنیاد پر قائم کرنا چاہتا ہے ، اس رسالے میں بہترین رہنمائی پائے گا - اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے قلم میں برکت دے کہ وہ ایسی بہت سی چیزیں لکھنے کی توفیق پائیں - ہماری بہت سی عزیز امیدیں ان سے وابستہ ہیں"۔

اب یکایک مولانا موصوف کا یہ فتویٰ دیدینا کہ "ڈاکٹر اسرار احمد، مرزا غلام احمد قادیانی کے نقش قدم پر چلنے کا ارادہ رکھتا ہے [1] اور اس کے لئے بہت سی قدیم باتوں (جن کا کوئی دوسرا ہی مفہوم بھی لیا جا سکتا ہے) کو بنائے استدلال بنانا خود مولانا طلاقی صاحب کے بارے میں کسی اچھی رائے قائم کرنے میں مدد نہیں دیتا -

---

[1] واضح رہے کہ ڈاکٹر صاحب کی قائم کردہ تنظیم اسلامی کے عقاید کے بیان میں یہ دفعہ بھی لکھی ہوئی ہے : "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہونے والے کسی شخص کو نہ تو کسی معنی میں نبی یا رسول سمجھے نہ معصوم اور نہ ہی کسی کا یہ منصب و مرتبہ سمجھے کہ اس کے ماننے پر انسان کا مومن و مسلم سمجھا جانا منحصر ہو"۔ شق ۶ صفحہ ۲۱ -

حضرت مولانا اصلاحی نے جو فرد قرار داد جرم عائد کی تھی، اس کی تائید کے لئے مولانائے ممدوح کے ایک وکیل نے ایک کتابچہ لکھا ہے۔ اس کتابچے میں نہ انجمن خدام القرآن کے اغراض و مقاصد پر، نہ تنظیم اسلامی کے کام پر کوئی اصولی تنقید ہے اور مولانا اصلاحی کے "مکتوب ہدایت" ہی کی طرح، نہ اس کتابچے میں خیر خواہی اور نصح کی وہ رُوح موجود ہے، جس کی پابندی کا عہد خود مولانا اصلاحی صاحب نے ۱۹۶۷ء میں تنظیم اسلامی کے قیام کی قرار داد منظور ہونے کے بعد ان الفاظ میں کیا تھا۔

"اس دعوت کا اصل محرک ابنائے نوع کی ہمدردی اور نصح و خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہیئے اور اس میں نہ تو اپنی شخصیت کی نمود کا کوئی شائبہ شامل ہونا چاہیئے نہ طلب جاہ کا۔ حتیٰ کہ اللہ اور رسول اور شریعت کی وفاداری کے جذبے کے تحت اگر کسی فرد، گروہ یا ادارے پر تنقید کی نوبت آجائے تو اس میں بھی ہمدردی اور دل سوزی غالب رہے اور ذاتی رنجش یا انتقام نفس کا کوئی شائبہ نہ پیدا ہونے پائے، اس کے برعکس اس کتابچے میں اُسی مکروہ تکنیک کو اختیار کیا گیا ہے جس کو اجمالاً تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جامع الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے:۔

وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ	اور جب وہ کسی سے جھگڑا کرتا ہے تو (تمام حدود کو) توڑ دیتا ہے۔

لیکن جس کی تفصیل میں:۔

تَاوِیْلُ الْقَوْلِ بِمَالَا یَرْضٰی بِہٖ قَائِلُہٗ	کسی کے قول کا وہ مطلب نکالنا جو کہنے والے کی مرضی کے مطابق نہیں۔

اور

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ	الفاظ کو اپنے موقع و محل سے ہٹا دینا

اور

لَیًّا بِاَلْسِنَتِھِمْ وَطَعْنًا فِی الدِّیْنِ۔	اپنی زبانوں کو موڑنا اور دین پر طعنہ زنی کرنا۔

جیسے قدیم اصول کی بحثیں شامل ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتابچے کا مرتب فاضل وکیل بھی سمجھتا ہے کہ مولانا اصلاحی صاحب کا یہ کہنا کہ "ڈاکٹر اسرار احمد مرزا غلام احمد قادیانی کے نقشِ قدم پر چلنے والا ہے" سخت زیادتی ہے لیکن وکیل کو تو بہرحال وکالت کرنی ہے اس لئے وہ لکھتا ہے کہ:

"رہ گئی یہ بات کہ تنظیم اسلامی اُمت میں کوئی بڑا فتنہ بنتی ہے یا نہیں تو اس کا علم ربِّ علام کے سوا کسی کو نہیں۔ جس ہو تو قیاس یہی ہوتا ہے کہ آندھی اٹھنے والی ہے۔ اگر شواہد کے باوجود نہ اُٹھے تو خدائی نظام میں بولنے کی مجال کسی کو نہیں" [1]

بلاشبہ بعض تقریروں اور تحریروں میں ڈاکٹر صاحب کا اندازِ تعبیر لائق اصلاح ہے — لیکن تحدیث نعمت کے ذیل میں ہمارے تمام بزرگوں نے جو لب و لہجہ اختیار فرمایا ہے وہ اکثر و بیشتر اُس سے بھی زیادہ قابلِ اعتراض محسوس ہوتا ہے جتنا ڈاکٹر صاحب کا اندازِ بیان قابلِ اعتراض ہو سکتا ہے۔

لیکن اگر تمام لوگوں کے بارے میں یہ اصول درست ہے کہ ان کے اقوال اور تحریروں کا وہی مفہوم اخذ کیا جائے گا جو مفہوم ان کے مجموعی کردار اور اقوال و افعال سے ہم آہنگ ہو۔ تو کیا ضروری ہے کہ ایک ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہی کے معاملے میں اس اصول سے صرف نظر کر لیا جائے۔ ہاں کسی کی کوئی کاروباری مصلحت اس اصول کو نظر انداز کر دینے کی متقاضی ہو تو بات دوسری ہے۔

ان الفاظ کے ساتھ میں اپنی ان گذارشات کو استاذِ مکرم و محترم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہ العالی کی اس دعا پر ختم کرتا ہوں جو حضرت موصوف نے قرآن اکیڈمی کے ایک اجتماع منعقدہ ۲۶ جولائی ۱۹۸۳ء کے اختتام پر فرمائی تھی:-

"اے اللہ اس کام کو تمام فتنوں سے بچا اور نظرِ بد سے محفوظ رکھ"

آمین ثم آمین!

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں دینی موسموں کی پیش گوئیاں کرنے والے پاکستان کے محکمۂ موسمیات کے شاگرد ہیں، جن کی موسمی پیش گوئیاں بالعموم پیش آنے والے واقعات کے برعکس ہوتی ہیں۔

چنانچہ مولانا مودودی صاحب کے مدعی نبوت یا مجددیت بننے کی پیش گوئی بھی بعض بزرگوں نے فرمائی تھی جن کی صف میں، ایک روایت کے مطابق خود مولانا اصلاحی صاحب بھی بالآخر شریک ہو گئے تھے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ واقعات نے ان کی تائید نہ فرمائی اور "دعا [illegible]

رُوحِ انتخاب

"گاہے گاہے باز خواں . . ."

دعوتِ حق کے مخالفین

استکبار اور حسد کی وجہ سے دعوت حق کی مخالفت بالعموم وُہ لوگ کرتے ہیں جو روایتی دینداری یا موروثی مالداری کی وجہ سے نظام جاہلی کے اندر پیشوائی اور سرداری کے مقام پر متمکن ہوتے ہیں - یہ لوگ آگے چلتے رہنے کی وجہ سے آگے چلنے کے ایسے عادی ہوتے ہیں - کہ حق کے پیچھے چلنے میں بھی انہیں عار محسوس ہوتا ہے - اور وہ بجائے اس کے کہ حق کے پیچھے چلیں ، کوشش اس بات کی کرتے ہیں کہ حق کو اپنے پیچھے چلائیں - موروثی دینداروں کی ذہنیت بالعموم یہ ہوتی ہے کہ وُہ حق کو اپنے باپ دادا کی میراث اور اپنی ذاتی جائیداد خیال کرنے لگ جاتے ہیں - اور عقیدت و احترام کے ماحول میں پلنے اور بڑھنے کی وجہ سے وہ اس بات کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ حق ان کی ذات اور ان کے حلقہ سے باہر بھی پایا جا سکتا ہے - موروثی مالداروں کا حال یہ ہے کہ وُہ دنیوی شان و عظمت کو اپنے برحق ہونے کی دلیل ٹھہرا لیتے ہیں - اور خیال کرتے ہیں کہ جب انہیں عزت و عظمت حاصل ہے تو اس سے لازم آتا ہے - کہ انہیں کا فکر اور انہی کا عمل حق بھی ہے -

اس طرح کی ذہنیت کے لوگوں کو جب کوئی ایسی دعوت چیلنج کرتی ہے - جو انکی روایتی دینداری کے خلاف ہوتی ہے - یا جس کی زد ان کی خواہشوں پر پڑتی ہے تو یہ تلملا کے اس کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں بالخصوص اس صورت میں ان کی مخالفت بہت ہی سخت و شدید ہو جاتی ہے - جب یہ دعوت ان کے حلقہ کے سوا کسی اور حلقہ سے بلند ہوتی ہو - یہ لوگ اس غرور میں مبتلا ہوتے ہیں - کہ حق ہمارے ساتھ ہے - اور ہمیشہ ہمارے ہی ساتھ رہے گا - اور اگر بالفرض ہمارے اندر سے غائب بھی ہو جائے تو جب بھی اس کو دنیا پر ظاہر ہونا ہے ہمارے ہی واسطہ سے ظاہر ہوگا - اس غرور کے ساتھ ظاہر ہے کہ کسی ایسے حق کو قبول کرنا ان لوگوں کے لئے تقریباً ناممکن ہے

جس کے داعی وہ خود نہ ہوں۔

چنانچہ دعوتِ حق کی پوری تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے۔ کہ جو لوگ اس مرض میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان کو حق پر ایمان لانے کی بہت کم ہی توفیق نصیب ہوئی ہے۔ مکہ اور طائف کے وہ سردار کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو اگر کوئی نبی بھیجنا ہی ہوتا۔ تو وہ ہمارے اندر سے کسی کو بھیجتا یہ اسی بیماری میں مبتلا تھے۔ یہی لوگ تھے۔ جو اسلام کے حق اور اس کے ایک نعمت الٰہی ہونے کے اس بنا پر منکر تھے کہ اگر یہ حق اور اللہ کا اتارا ہوا دین ہوتا تو ہو نہیں سکتا تھا کہ ہم سے پہلے یہ رذیل اور فاقہ مست لوگ اس کو پاتے۔ انہی لوگوں کے ساتھ یہود بھی شریک تھے۔ جن کی سلام کے ساتھ ساری عداوت و مخالفت کی تہہ میں صرف یہ جذبہ کام کر رہا تھا۔ کہ اگر وہ اس حق کو مانے لیتے ہیں۔ تو ان کی دینی پیشوائی کی ساری عزت و فضیلت خاک میں ملی جاتی ہے۔ اس طرح کے لوگ اگرچہ بعض اعتراضات و شبہات بھی دعوت حق کے خلاف پیش کرتے ہیں۔ تاکہ اپنی مخالفت کو جائز اور معقول ثابت کر سکیں۔ لیکن حقیقت میں یہ سارے اعتراضات و شبہات محض اصل محرکِ مخالفت استکبار و حسد پر پردہ ڈالنے کے لئے گھڑے جاتے ہیں۔ اس طرح کے مخالفین ایک داعی حق کے لئے اپنے اندر امید سے زیادہ مایوسی کا پہلو رکھتے ہیں۔ ان میں بہت تھوڑے نکلتے ہیں۔ جن کو قبولِ حق کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ یہ اپنے استکبار کی وجہ سے اپنے آپ کو الوہیت کے منصب پر سرفراز کر لیتے ہیں۔ اور اس منصب کو چھوڑنا اس وقت تک گوارا نہیں کرتے۔ جب تک اس کو چھوڑنے پر مجبور نہ کر دیئے جائیں۔

قرآن مجید میں استکبار کو قبول حق کے سب سے بڑے موانع میں سے شمار کیا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے جگہ جگہ قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے پیچھے زیادہ وقت ضائع کرنے سے روکا گیا ہے۔ جو دنیوی مال و متاع کی فراوانی یا مذہبی و دنیوی ریاست کی وجہ سے اپنے غرور میں سرمست ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے وقت کے فقیہوں فریسیوں کے غرور ہی کی بنا پر فرمایا تھا "مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں۔ آسمان کی بادشاہی میں وہی داخل ہوں گے" نیز فرمایا تھا کہ "اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں جانا آسان ہے مگر دولت مند خدا کی بادشاہی

میں داخل نہیں ہو سکتا۔"

بعد کے واقعات نے اس پیش گوئی کی پوری پوری تصدیق کر دی۔ انجیل اور قرآن مجید دونوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت پر یروشلم کے علماء اور فقہا میں سے ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا۔ یہاں تک کہ ان سے مایوس ہو کر حضرتؑ کو دریا کے کنارے کے ماہی گیروں کے سامنے اپنی دعوت پیش کرنی پڑی اور انہی کے اندر سے اللہ کے کچھ بندے ان کو ایسے ملے جنہوں نے دعوتِ حق کے اس علم کو سنبھالا، کم و بیش یہی صورتِ حال اس وقت پیش آئی جب آنحضرتؐ کی دعوت بلند ہوئی اہل کتاب کے پیشوایان دین میں سے صرف گنتی کے چند نفوس اسلام لائے بقیہ سارے کے سارے اپنی پیشوائی اور مشیخت کے غرور میں حق کی مخالفت میں اڑے رہے جو لوگ ایمان لائے ان کی صفات جہاں قرآن مجید نے گنائی ہیں۔ وہاں ان کی سب سے نمایاں صفت یہ بیان فرمائی کہ وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (مائدہ) اور وہ گھمنڈ نہیں رکھتے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ وہ لوگ تھے۔ جن کے دلوں کو مذہبی اور دنیوی ریاست کا کوئی روگ نہیں لگا تھا۔ اور وہ اپنے آپ کو حق سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے۔ اس گروہ کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ شروع شروع میں یہ اپنے استکبار کی وجہ سے دعوت کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور اس کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتا۔ لیکن جب دعوت بڑھنے اور پھیلنے لگتی ہے اور ان کو اپنے پاؤں کے نیچے کی زمین کھسکتی نظر آتی ہے تو ان پر حسد کا سخت دورہ پڑتا ہے اس وقت وہ داعی اور دعوت کی مخالفت میں وہ سب کچھ کر گذرتے ہیں جو ایک مبتلائے حسد گروہ کر سکتا ہے۔

مفاد پرستی کی وجہ سے دعوت حق کی مخالفت وہ لوگ کرتے ہیں جن کا اخلاقی تصور حبِ ذات سے آگے نہیں بڑھتا۔ ان کا سارا اخلاقی و اجتماعی فلسفہ اپنی ذات سے شروع ہوتا ہے۔ اور پھر برابر اسی محور پر گھومتا رہتا ہے۔ یہ محض انسان کی اس فطری مجبوری کی وجہ سے کہ وہ ایک اجتماعی وجود ہے۔ جو تنہا زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ کسی اجتماعی نظام کے اندر شامل تو ہوتے ہیں لیکن اس کے اندر ہر قدم پر صرف استحقاق تلاش کرتے ہیں۔ کسی جگہ بھی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ان کے نزدیک حق

اور باطل کا معیار ان کی اپنی ذات ہے۔ جس چیز سے ان ذات کا بھلا ہو وہ حق ہے۔ اور جس چیز سے ان کے کسی ذاتی مفاد کو ٹھیس لگ رہی ہو وہ باطل ہے۔ جن لوگوں کا اخلاقی اور اجتماعی تصور اتنا پست ہو وہ لازماً ہر اس دعوت کی مخالفت کرتے ہیں۔ جس سے ان کی مفاد پرستی کا یہ گھناؤنا پن دوسروں کے یا خود ان کے سامنے واضح ہو رہا ہو۔ اس طرح کے لوگ ان تمام جوہری صفات سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔ جن سے ایک اعلیٰ سیرت کی تشکیل ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کسی نظام حق کے لئے ان کا وجود فطری طور پر ویسا ہی نکما ہے جیسے طرح ایک جنین کا وجود ایک عورت کے لئے۔ یہ اپنی طبعی پست اخلاقی اور دنائیت کی وجہ سے کسی فاسد دعوت اور فاسد نظام ہی کی طرف میلان رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ان کی وابستگی بالکل منافقانہ اور خود غرضانہ ہی ہوتی ہے۔ اس کے لئے اپنے دل جوش و جذبہ کے ساتھ ایک چوٹ بھی کھانے کے لئے وہ تیار نہیں ہوتے۔ اسلامی دعوت کی تاریخ میں اس کی نہایت حقیقت افروز مثال ابولہب کا وجود ہے۔ جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے سارا اختلاف محض اس وجہ سے تھا۔ کہ آپ کی دعوت سے اس کی سیرت کے تمام بدنما پہلو لوگوں کے سامنے آ رہے تھے۔ اور اپنی خود غرضی اور زر پرستی سے اس نے جو دولت اکٹھی کر رکھی تھی۔ وہ سب معرض خطر میں تھی۔ یوں تو وہ قریش کے قائم کردہ نظام جاہلی میں سب سے اونچے عہدہ پر فائز تھا۔ لیکن اس نظام کے ساتھ اس کی ساری وابستگی محض اس وجہ سے تھی کہ منصب رفادہ اور خانہ کعبہ کی کلید برداری کی وجہ سے اس کو مالی دستبرد کے بہت سے مواقع حاصل تھے۔ اس سے آگے نہ تو اس کو اپنی قوم ہی سے کوئی ہمدردی تھی اور نہ اس نظام کے خیر و شر ہی سے کوئی دلچسپی تھی جس کا وہ سب سے بڑا لیڈر تھا۔ اس کا سب سے واضح ثبوت یہ ہے کہ یوں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی مخالفت میں آگے رہتا اور لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرتا کہ یہ آباؤ اجداد کے قائم کردہ نظام کو برباد کرنے والی دعوت ہے۔ لیکن بدر کے موقع پر جو قریش کے نقطۂ نظر سے ایک فیصلہ کن معرکہ تھا۔ اور جس میں ان کے تمام سردار پورے جوش دینی کے ساتھ شریک ہوئے وراثت ابراہیمی کا یہ سب سے بڑا دعوے دار گھر میں بیٹھا رہا۔ اور کرایہ کے ایک آدمی کو اپنی طرف سے میدان میں لڑنے کے لئے بھیج دیا۔ اس طرح کے لوگوں کا ہر دعوت حق کے ساتھ فطری

تعلق صرف مخالفت ہی ہو سکتا ہے۔ اور مخالفت کا ہی ہوتا ہے۔ یہ دنائیت و رذالت میں اتنے پختہ اور مشاق ہو جاتے ہیں کہ کوئی ایسی دعوت جو مکارم اخلاق کی طرف بلا رہی ہو۔ جو ہمدردی، مساوات، اور اخوت کا مطالبہ کر رہی ہو، جو ایثار، قربانی اور جانثاری کے لئے پکار رہی ہو۔ ان کو اپیل کر ہی نہیں سکتی۔ اس قسم کی دعوت کے لئے ان کے کان بہرے اور ان کے دل مردہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف یہ کہ اس کی طرف اپنے اندر کوئی میلان نہیں پاتے۔ بلکہ اس سے نفرت اور کراہت محسوس کرتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کی مخالفت بھی، ان کی اخلاقی پستی کی وجہ سے نہایت رذیل اور کمینہ مخالفت ہوتی ہے۔ یہ اعلانیہ اور اصولی مخالفت کی بجائے بالعموم چغلی، بدگوئی پر اتر آتے ہیں۔ اور ہمز و لمز کے ذریعہ سے اپنی لیڈری کا بھرم قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(ماخوذ از دعوت دین اور اس کا طریق کار صفحہ ۱۵۳ تا ۱۵۷)

(تالیف مولانا امین احسن اصلاحی)

روزے اور تراویح باعث مغفرت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ـــــ (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو لوگ رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے، اُن کے سب گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے، اُن کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور اسی طرح جو لوگ شبِ قدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے اُن کے بھی سارے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

(از معارف الحدیث مولانا محمد منظور نعمانی)

ڈاکٹر اسرار احمد

قسط ۹

شرک اور اقسام شرک

شرک فی الحقوق (۴)

ترتیب و تدوین : جمیل الرحمن

مذہبی شرک آپ کو یاد ہوگا کہ شرک فی الحقوق کے ضمن میں حاکمیت کے موضوع پر گفتگو کے آغاز کے موقع پر میں نے شرک کو دو اقسام میں تقسیم کیا تھا۔ ایک سیاسی شرک دوسرا مذہبی شرک۔ سیاسی شرک کے ذیل میں تفصیلی گفتگو ہو چکی، اب مذہبی شرک کے بارے میں چند اہم اشارات پیش کروں گا۔

مذہبی شرک کی ابتداء دراصل دین و دنیا کی تقسیم کے تصور سے متعلق ہے اور یہ ایک طرح سیاسی شرک ہی کی ایک عظیم فرع ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دین اور دنیا کو ایک وحدت کے بجائے ان کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ دین کے معاملات طے کرنے والے الگ اور دُنیا کے معاملات چلانے والے الگ قرار پائے۔ پنڈتوں، پروہتوں اور پادریوں (احبار و رہبان) نے مذہبی معاملات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور انہوں نے روحانی ترقی کے طریقے بتانا اللہ کے دربار میں سفارشات گزارنا، اللہ کی نظر عنایت کو اپنی توجہ سے مشروط کرنا۔ پوجا پاٹ، نذر و نیاز کے مراسم اور ضوابط مقرر کرنا اور ان کو اپنے لئے خاص کر لینا، حلت و حرمت کے فیصلے کرنا، لوگوں کے گناہ بخشوانا یہ تمام اُمور جو تعبدی دائرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ذمے لئے۔ حکومت کرنے اور ملکی انتظام و انصرام چلانے کے معاملات جو دُنیوی اُمور سے متعلق ہیں بادشاہوں اور مہاراجوں کے سپرد ہوئے۔ اس طرح دونوں طبقوں کے گٹھ جوڑ سے انسانوں کے استحصال کا ایک ظالمانہ نظام وجود میں لایا گیا۔ اس نظام میں ان دونوں طبقوں کا اشتراکِ عمل رہا ہے، اور یہ ایک دوسرے کے ممد و معاون رہے ہیں۔ ہندو مت میں کوئی مذہبی رسم

برہمن کے بغیر انجام نہیں دی جا سکتی اور برہمن بھگوان کی سب سے محبوب مخلوق ہے یہودیت نے یہ مقام اپنے احبار و ربیان کا قرار دیا اور عیسائیت نے یہ درجہ پوپ اور پادریوں کو دیا۔ مذہبی معاملات میں سارے اختیارات ان کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں خدا کے بااختیار نائب اور نمائندے ہونے کے مدعی ہوتے ہیں اور اُن کا موقف یہ ہوتا ہے کہ مذہبی اُمور میں اُن کا ہر قول، قولِ فیصل کا درجہ رکھتا ہے۔

چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ ہر مذہب میں دینی پیشواؤں کا مقام ایک طرح خدا کے مقام سے کم نہیں۔ خصوصاً عیسائیت میں پاپائیت کا نظام مذہبی شرک کی بدترین مثال ہے۔ اس پاپائیت کی پاداش آج دنیا بھگت رہی ہے۔ یہ پاپائیت کے ظالمانہ اور مشرکانہ نظام ہی کا ردِ عمل ہے کہ جس نے دورِ جدید میں دین و مذہب سے نفرت اور بغاوت کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔ یورپ میں تقریباً تین صدیوں قبل صنعتی انقلاب اور سائنسی انکشافات کے ساتھ ساتھ مذہب سے جو بُعد، نفرت اور بُغض پیدا ہوا، جس میں تاحال روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہا ہے۔ یہ پاپائیت ہی کے شجرِ خبیثہ کا نتیجہ ہے۔ چونکہ عیسائیت کی جامد تعلیم سائنٹیفک اکتشافات کے خلاف تھی اور یہ اسی کا ردِ عمل تھا کہ دین و مذہب سے نفرت کے عفریت کا یورپ ہی سے ظہور ہوا جس کا سایہ آج تقریباً تمام کرۂ ارض پر محیط ہے۔ عیسائیت میں وہ موڑ (TURNING POINT) کون سا تھا، جس نے پاپائیت کا رُوپ دھارا؟ اس کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔

دینِ عیسویؑ میں تحریف پال (پالیوس) [متوفی ۶۴ء] جس کو عیسائی سینٹ (ولی) کہتے ہیں۔ دراصل انسان کے رُوپ میں شیطان (طاغوت) تھا۔ یہ نسلاً یہودی تھا اور حضرت عیسیٰ (ابن مریم) علیہ السّلام کا کٹر دشمن۔ اُس نے منافقانہ طور پر ڈرامائی انداز میں حضرت عیسیٰ کا دین قبول کیا، پھر اپنی ذہانت و فطانت اور اپنی فلسفیانہ موشگافیوں اور اپنی چرب زبانی سے حضرت مسیحؑ کے پورے دین کا حُلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ بلکہ صُلبی بیٹا قرار دینے والا، ان کو اُلوہیت میں شریک ٹھہرانے والا اور بالکل ابتدا ہی میں تثلیث کا عقیدہ وضع کرنے والا یہی پال تھا۔ اس نے اس طرح اپنے سازشی ہتھکنڈوں سے حضرت عیسیٰؑ سے یہودیت پر تنقید کرنے اور اُس کے علماء کا پول کھولنے کا بھرپور انتقام لے لیا۔ آج دُنیا جس مذہب کو عیسائیت کے

نام سے جانتی ہے۔ اس کا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے دین اور آنحضورؐ کی تعلیمات سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ دراصل یہ اسی پال کا مذہب ہے جو عیسائیت کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اِسی پال کی دوسری خباثت یہ ہے کہ اُس نے عیسائیوں کو یہ یقین دلادیا کہ شریعتِ موسوی کا ان پر اطلاق نہیں ہوتا، وہ ہمارے لئے ساقط ہوچکی۔ اناجیلِ اربعہ میں سرے سے کوئی شریعت موجود ہی نہیں، وہ تو چند واقعات کے ذکر، کچھ علمائے یہود کی کج روی اور ضلالت پر تنقید، کچھ مواعظِ حسنہ اور کچھ اخلاقی تعلیمات پر مشتمل ہیں۔ پھر یہ اناجیلِ اربعہ بھی تحریف شدہ اور ترجمہ در ترجمہ ہیں۔ اُن کے اصل نسخے (ORIGINAL TEXT) دُنیا میں موجود ہی نہیں۔ مزید برآں ان عیسائیوں کی ستم ظریفی اور کوتاہ نظری دیکھئے کہ ان محرّف اناجیل میں سے متّی کی انجیل میں جو عیسائیوں کے نزدیک بڑی اہمیت رکھنے والی انجیل ہے۔ اس میں "پہاڑی کے وعظ" (SERMON OF THE MOUNT) میں آج بھی جناب مسیحؑ کا یہ جملہ موجود ہے کہ: "یہ نہ سمجھنا کہ میں قانون کو ختم کرنے آیا ہوں (شریعتِ موسوی باقی، اور جاری رہے گی اور یہ کہ) میں اِس میں ایک شوشے کی بھی کمی بیشی کا مجاز نہیں ہوں۔" اِس کے باوجود پال کا فیصلہ یہ تھا کہ شریعتِ موسوی ساقط ہوگئی۔ اس کا عیسائیوں پر اطلاق نہیں ہوتا اور پوری عیسائی اُمّت نے اس کو قبول کرلیا۔ اب ایک خلا پیدا ہوگیا، شریعت کوئی رہی نہیں۔ اب مذہبی دائرے سے تعلق رکھنے والے معاملات کو فیصل کرنے کی بنیاد کیا ہو؟ حرام و حلال اور صحیح و غلط کا قانون کہاں سے آئے؟ یہ خلا پُر کرنے کا کام قسّیسین احبار و رہبان اور رائج الوقت اصطلاح میں "پوپ" اور پادریوں کی شخصیتوں کو تفویض ہوگیا۔ یہ حضرات مجاز قرار پائے کہ جس چیز کو جب چاہیں حلال قرار دے دیں اور جب چاہیں حرام۔ بطورِ مثال یہ بات کافی ہوگی کہ دو ہزار سال سے تمام عیسائی حضرت مسیح علیہ السّلام کو (ان کے عقیدے کے مطابق) صلیب پر چڑھانے کے یہودیوں کو مجرم قرار دیتے آئے ہیں۔ لیکن اب پوپ صاحب نے ان کو اس "جرم" سے بری قرار دے دیا ہے، چونکہ اُن کو اُن کے مذہب کے مطابق یہ اختیار حاصل ہے۔ اسی طرح ان احبار نے لحمِ خنزیر، شراب اور ان تمام چیزوں کو جو شریعتِ موسوی میں حرام تھیں، حلال قرار دے دیا۔ نماز اور روزہ ساقط کردیا۔ اب صرف اتوار کو وعظ سُننے کیلئے گرجا

میں حاضری ان کا قائم مقام قرار پائی۔ کوئی گناہ آخرت میں ضرر نہیں پہنچا سکتا، اگر حضرت مسیحؑ کے ابن اللہ ہونے کا یقین ہو، اس لئے کہ وہ اپنے ماننے والوں کے گناہوں کے کفارے کے لئے صلیب پر چڑھ گئے۔ پھر پادریوں کے سامنے تخلیے میں اعترافِ گناہ ضروری قرار پایا اور پادریوں کا یہ اختیار تسلیم کر لیا گیا کہ جس کے لئے چاہیں گناہ کی معافی کا پروانہ جاری کر دیں۔ کلیسا اور گرجا عیاشی کے اڈے بن گئے اور وہاں وہ گھناؤنے فعل انجام دیئے جانے لگے، جن کو سُن کر انسان شرما ئے۔

چنانچہ دین و دُنیا کی تقسیم ہو گئی، اختیارات مطلقہ سیاسی طور پر مُلوکیت نے اور مذہبی طور پر پاپائیت نے سنبھالے۔ بادشاہوں نے DIVINE RIGHTS OF KING کے مدّعی بن کر تختِ حکومت سنبھالا اور احبار و رہبان اور پوپ اور پادریوں نے شریعت سازی کی سیادت سنبھالی اور وہ خدا کی طرف سے حلال و حرام اور مراسمِ عبودیت کے معاملات اور مذہبی اُمُور طے کرنے کے مختار و مجاز ہو گئے۔ پھر ان دونوں طبقوں کے باہمی گٹھ جوڑ سے وہ ظالمانہ اور استحصالی نظام وجود میں آیا۔ جس میں یورپی ممالک کم و بیش بارہ سو صدیوں تک جکڑے رہے۔ یہ اسی نظام کا ردِّ عمل ہے جو آج نفسِ دین و مذہب کی نفرت کے طور پر نہ صرف مغربی ممالک، بلکہ یوں کہئے کہ پوری دُنیا پر محیط ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں نے جس طرح اپنے احبار و رہبان کو شریعت کے معاملات میں مختارِ کل بنایا، اس پر قرآن حکیم کا تبصرہ سُنئے:

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ | قرآن مجید میں اہلِ کتاب پر یہ فردِ جرم بھی مختلف اسلوبوں سے عائد کی گئی کہ انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ قرار دے رکھا ہے۔ پہلا اسلوب دعوت کا ہے، چنانچہ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

"(اے نبی!) کہہ دیجئے اے اہلِ کتاب آؤ اُس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلّم ہے، کہ نہ بندگی کریں مگر اللہ کی اور نہ شریک ٹھہرائیں، اس (اللہ) کا کسی چیز کو اور نہ بنائیں دوسروں کو اس کے سوا ربّ۔ پس اگر وہ (اہلِ کتاب) اس (دعوت)

سے منہ موڑلیں تو کہہ دیجئے کہ ہم تو اللہ کے فرمان بردار ہیں!" (آیت ۶۴)

سورۃ المائدہ میں جو زمانۂ نزول کے لحاظ سے سورۂ آلِ عمران کے بعد کی سورۃ ہے، میں بطورِ تنقید فرمایا:

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

کیوں ان کے علماء اور مشائخ انہیں گناہ پر زبان کھولنے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے یقیناً بہت ہی بُرا ہے کارنامۂ زندگی جو وہ تیار کر رہے ہیں۔

پھر سورۂ توبہ جس کا دوسرا نام سورۂ براءت بھی ہے اہلِ کتاب پر اپنے احبار و رہبان کو اربابًا مِّن دُونِ اللہ قرار دینے کی باقاعدہ فردِ جرم (CHARGE SHEET) عاید کی گئی۔ یہ سورۂ مبارکہ زمانۂ نزول کے لحاظ سے ۹ھ کی سورہ ہے۔ وہاں فرمایا:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوا ربّ ٹھہرا لیا ہے۔ اور مسیح ابنِ مریم کو بھی، حالانکہ اُن کو نہیں حکم دیا گیا، مگر اس بات کا کہ ایک ہی خدا کی بندگی کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک ہے اُن چیزوں سے، جن کو یہ خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ (آیت ۳۱)

اس آیت کی تشریح سے قبل احبار اور رہبان کے معانی سمجھ لیجئے تاکہ بات پوری طرح سمجھ میں آجائے۔ احبار جمع حِبر کی، جس کے معنی ہیں بہت بڑا عالم۔ ہمارے ہاں اس کا مترادف لفظ "فقہاء" ذہن میں رکھئے۔ اور رہبان راہب کی جمع ہے۔ راہب اُسے کہتے ہیں جو علائقِ دُنیا سے قطعِ تعلق کرکے کسی کنیسا (خانقاہ) یا کسی گرجا یا پہاڑوں کی کھوہ اور غاروں میں عبادتِ الٰہی کے لئے گوشہ نشین ہوجائے۔ ہمارے ہاں اس کا مترادف لفظ "صوفیاء" قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں طبقے ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ ایک وہ جو فقہ کے جاننے والے تسلیم کئے گئے ہیں اور ایک وہ جو باطنی علوم اور تزکیۂ نفس کی مہارت رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ سے خصوصی قرب رکھنے والے قرار دیے گئے ہیں۔

سورۂ توبہ کی اس آیت کے متعلق احادیث میں حضرت عدیؓ بن حاتم کا ایک سوال منقول ہے۔ آنجنابؓ اسلام لانے سے قبل عیسائی تھے۔ اُنہوں نے سورۂ توبہ کی اس آیت کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا اشکال پیش کیا کہ "حضورؐ یہود و نصاریٰ اپنے علماء اور راہبوں کو ربّ تو نہیں کہتے، نہ انہوں نے اُن کو کبھی ربّ ٹھہرایا!"۔ حضورؐ نے فرمایا کہ: کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ وہ جس چیز کو حلال قرار دیتے تھے اور جس چیز کو وہ حرام قرار دیتے تھے، تم اللہ تعالیٰ کی سلطان اور سند طلب کئے بغیر مان لیتے تھے۔ تم کو اس سے غرض ہی نہیں ہوتی تھی کہ اللہ نے بھی ان چیزوں کو حلال یا حرام ٹھہرایا ہے یا نہیں!"۔ حضرت عدیؓ نے عرض کیا: "ہاں یہ بات تو ہے!" حضورؐ نے فرمایا: فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ "یہی طرزِ عمل اُن کی پرستش ہوا!"۔ پس نبی اکرمؐ کے اس ارشاد سے واضح ہوا، جو دراصل سورۂ آلِ عمران کی آیت ۶۴ کی بالعموم اور سورۂ توبہ کی آیت ۳۱ کی بالخصوص تفسیر و تشریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سلطان اور اس کی سند کے بغیر کسی عالم، کسی فقیہ، کسی صوفی اور کسی راہب کے فیصلے کو شرعی حجت کے طور پر تسلیم کر لینا، دراصل ان کو "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" بنانا ہوا۔ جو عقیدے اور عمل دونوں اعتبارات سے شرک ہے۔

اُصول کی تلوار شرک اور اقسامِ شرک کی گفتگو کے ضمن میں اب تک ہم اس بات کی پابندی کرتے رہے ہیں کہ ہم قرآن و احادیث سے پہلے اُصول متعیّن کرتے ہیں اور پھر اس اُصول کی تلوار سے ان عقائد اور اعمال کا بے لاگ تجزیہ کرتے ہیں جو ہمارے معاشرے میں فی الواقع موجود ہیں۔ ہمارے دین کی تعلیم یہ ہے کہ حق بات کہنے اور حق کی گواہی دینے میں نہ مداہنت کا رویّہ درست ہے اور نہ خوفِ لومتہ لائم۔ ازروئے قرآن و حدیث حق بات کہنا اور اُصول کی تلوار کا بے لاگ استعمال کرنا اور اس کو بیان کرنا ہمارے ایمان اور ہماری دینی حمیّت و غیرت کا عین تقاضا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار اور خدا کے واسطے گواہ بنو، اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد تمہاری

اپنی ذات پہ یا تمھارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو!"
(سورۃ النساء آیت ۱۳۵)

اسی بات کو سورۃ المائدہ میں بایں الفاظ مبارکہ فرمایا : یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ (آیت ۸) لہٰذا معلوم ہوا کہ حق کی گواہی دینی ضروری ہے، چاہے اُس کی زد کہیں پڑے۔

تصوّف اب آپ اِن ہدایات کی روشنی میں دیکھیے کہ ہمارے معاشرے میں کون کون سے اعمال "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ط" کے ذیل میں آتے ہیں۔

ایک شخص اپنی رُوحانی ترقّی اور تزکیے کے لیے کسی مرشد کی طرف رُجوع کرتا ہے، اگر مُرشِد اپنے مُرشَد (مُرید) سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ مَیں جو حکم دُوں گا، اُسے ماننا پڑے گا، بغیر اس قید کے کہ وہ حکم اللّٰہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کے مطابق اور اس کے اندر اندر ہو۔ تو جس شخص نے اس کو اپنے لئے مانا، اُس نے شرک کیا اسی طرح جس نے اس حق کا مطالبہ کیا، اُس نے شرک کیا۔ ہمارے ہاں تصوّف میں یہ بات بہت مشہور ہے جو نا معلوم شاعر نے کس خیال سے کہی تھی لیکن جاہل عوام نے اس کو غلط معنی پہنا دیئے:

بہ مے سجّادہ رنگین کُن گرت پیرِ مغاں گوید ؛ کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا

یعنی یہ کہ اگر پیر و مرشد اپنے سجّادہ کو شراب سے رنگین کرنے کا بھی حکم دے تو کر گزرو۔ یہ اور اس قسم کی تمام باتیں شریعتِ حقّہ کے بالکل خلاف ہیں، بلکہ اپنی رُوح کے اعتبار سے قطعی شرک ہیں، اور عوام النّاس کی گمراہی اور ضلالت کا سبب ہیں۔ اسی طرح تصوّف میں ایسے مقامات بھی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ جہاں مرشد اپنے مُریدوں پر سے فرض عبادات تک ساقط کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ چند غیر مسنونہ اوراد و وظائف ان عبادات کے قائم مقام قرار دے دیئے جاتے ہیں۔ یہ بات بھی عقائد و اعمال دونوں اعتبارات سے قطعی شرک ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کسی کا یہ مقام نہیں خواہ ظاہری طور پر وہ کتنا ہی بڑا صوفی، زاہد، اور عابد ہی کیوں نہ ہو کہ ایسا حکم دے سکے جو اللّٰہ اور اُس کے رسول کی تعلیمات سے منافی ہی نہیں بلکہ اُس کی سراسر سرتابی ہو۔ جو ایسا حکم دیتا ہے، وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے اور جو اس حکم کو تسلیم کرتا ہے وہ بھی شرک کا مرتکب ہوتا ہے، چاہے وہ ایسے حکم پہ عمل نہ کرے، لیکن اگر وہ اپنے مرشد کا یہ حق تسلیم کرتا ہے تو یہ تسلیم کرنا بھی شرک ہے۔

تقلیدِ جامد اب آگے چلیے اُصول کی تلوار آپ کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن مجید اور نبی اکرمؐ کے فرمان آپ کے سامنے ہیں۔ اب رُو رعایت کی کوئی گنجائش نہیں، اس کی زد جہاں جہاں بھی پڑے، اس کو حق ماننا ہوگا۔ کسی شخصیت کی عقیدت و احترام اور اس کے علمی دبدبے اور رعب کو اور نہ گروہی تعصبات کو راستے میں آڑے آنے دینا چاہیئے۔ اگر کسی کا یہ نظریہ ہے کہ ائمۂ دین میں سے کوئی امام فی نفسہٖ مُطاع ہے اور اس کی تقلید شخصًا کی جانی ضروری ہے اور یہ کہ ایسی تقلید دین کا لازمی تقاضا ہے۔ تو میں عرض کروں گا کہ جس تقلید میں اس بات کا لحاظ ہی نہیں رکھا جاتا کہ یہ دیکھا جائے کہ اس امام یا مجتہد نے اپنے قیاس، اپنی رائے اور اپنے استنباط کے لئے جو دلیل دی ہے وہ کتاب و سنّت سے ماخوذ ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ وہ دلیل کیا ہے؟ اس کے بغیر اگر کسی کی تقلید کی جاتی ہے تو اس تقلیدِ مطلقہ اور تقلیدِ جامد کے، تقلیدِ باطلہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ ایسی تقلید فقہاء اور ائمہ کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہ قرار دینے کی تعریف میں آئے گی اور یہ نقطۂ نظر عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے شرک ہے۔

تقلید کا یہ تصوّر دراصل عوام النّاس میں جہالت اور دین سے ناواقفیّت کی وجہ سے رائج ہے، اسی کی تردید مقصود ہے۔ ایسی جامد تقلید کی دینِ حنیف میں قطعًا گنجائش نہیں، اِس کے باطل اور شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس سے وہ تقلید مراد نہیں ہے، جس کی تعلیم و تلقین کی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ عنہم اجمعین نے ان ائمۂ دین کا اوڑھنا، بچھونا قرآن و حدیث ہی تھا۔ جن مسائل میں اُن کو کتاب و سُنّت اور تعاملِ صحابہؓ سے براہِ راست کوئی رہنمائی نہیں ملتی تھی تو وہ ان مسائل سے ملتی جُلتی قرآن و حدیث کی تعلیمات سے استنباط، استخراج، استشہاد اور اجتہاد کرتے تھے — امامِ اعظم (امام ابوحنیفہ) رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول تو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ: "میرا کوئی قول (استنباط، استخراج، اجتہاد اور قیاس) بھی حدیثِ رسولؐ کے خلاف نظر آئے تو اُس کو دیوار پر دے مارو" — اس لئے کہ ان کے نزدیک ہی نہیں تمام ائمہ مجتہدینِ اُمّت کے نزدیک اصل حجت، اصل دلیل، اور اصل سند اللہ کی کتاب اور نبی اکرمؐ کی سنّت ہے۔ چنانچہ ہمارے چاروں ائمۂ عظام رحمہم اللہ علیہم کے فقہی مذاہب کی بنیاد قرآن و حدیث ہی پر ہے۔ اگر کہیں تفصیلات میں اختلاف نظر آتا ہے، تو وہ یا تعبیر کا اختلاف ہے یا افضل و مفضول اور راجح مرجوح کا اختلاف ہے

ورنہ تمام مسائل کا اصل ماخذ کتاب و سنّت ہی ہے۔ چاروں ائمۂ عظام نے انہی ماخذ و سے استنباط اور استخراج کیا ہے، جس میں رائے کا اختلاف ہونا فطری امر ہے۔ لہٰذا ان ائمہ کے استنباط و استخراج اور اجتہاد کو قرآن و حدیث ہی کی تعبیر سمجھ کر تسلیم کیا جائے، تو یہ تقلید جامد نہیں ہو گی اور نہ یہ تقلید شرک کی تعریف میں آئے گی۔ یہ درا صل قرآن و حدیث ہی کی تقلید ہو گی۔ لیکن اگر کوئی یہ سمجھے یا کہے کہ میں تو فلاں امام کی شخصی تقلید کو لازم سمجھتا ہوں تو یہ نقطۂ نظر ان ائمہ کو از رُوئے قرآن مجید "اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہ" قرار دینا ہو گا۔"

حاصل کلام یہ کہ نقطۂ نظر کے صحیح و غلط ہو جانے سے عظیم فرق واقع ہو جاتا ہے۔ اگر نقطۂ نظر یہ ہے کہ امام کے استنباط، قیاس، رائے اور اجتہاد کو مبنی بر قرآن و حدیث اور اُن ہی سے ماخوذ سمجھ کر اختیار کیا جا رہا ہے تو اس میں کوئی ہرج نہیں، یہ نقطۂ نظر اصلاً کتاب و سُنّت ہی کی پیروی کہلائے گا لیکن اگر تصوّر اس کے بر عکس ہو جائے کہ کسی امام عالی مقام کی ذات میں تقلید کی جا رہی ہے تو یہی شرک ہے!

عُلمائے سلف کا مسلک چنانچہ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس بات کو ہمارے سلف کے علمائے حق نے اپنے عمل سے واضح کیا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ نے اکثر مسائل میں اپنے اُستاذ و امام جناب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور ہمارے ہاں فقۂ حنفی میں بہت سے مسائل پہ فتاویٰ جناب امام ابو حنیفہؒ کی رائے پہ نہیں ہیں، بلکہ صاحبین کی رائے پر ہیں۔ جس سے مراد امام ابو یوسفؒ اور امام زُفرؒ ہیں۔ نیز بعض مسائل امام محمد کی رائے پر ہیں۔ فقۂ حنفی کی اصطلاح میں مفتیٰ بہ قول جس کو کہتے ہیں، وہ قول امام ابو حنیفہؒ کا نہیں بلکہ اُن کے انہی تین شاگردوں میں سے کسی کا ہوتا ہے لیں تقلید کا یہ تصوّر اور ہے اور اِس میں کوئی خرابی نہیں اور تقلید کا وہ تصوّر جو جُہلاء و عوام کے ذہنوں میں ہے وہ اور ہے، اور جن لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس تصوّر میں شرک شامل ہے تو اس رائے سے اختلاف مشکل ہے۔ ایسی جامد اور کورانہ تقلید کے شرک ہونے کے دلائل میں پہلے ہی سے یہود و نصاریٰ پر اپنے احبار و رہبان کو اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہ بنانے کے ذیل میں قرآن مجید کی آیات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت کے ضمن میں پیش

کر چکا ہوں۔

اولیاء پرستی | مذہبی شرک کے پورے نظام میں چند انتہائی ہوشیار و چالاک اور کیّاد لوگوں کی مفاد پرستی پوری طرح سے رچی بسی ہوئی ہے۔ کسی بھی مشرکانہ نظام کے مذہبی ڈھانچے کا تجزیہ کیجئے تو آپ کو اس کی پشت پر یہی مفاد پرستی نظر آئے گی۔ دیوی اور دیوتاؤں کے، مندروں اور استھانوں میں پوجا پاٹ اور نذر و نیاز کے تمام طریقوں کا اصل فائدہ ان مندروں اور استھانوں کے پنڈتوں اور پروہتوں کو پہنچتا ہے۔ حلوے مانڈے بتوں کے نام چڑھتے ہیں اور وہ پجاریوں اور پروہتوں کے کام و دہن کے کام آتے ہیں۔ روپیہ پیسہ، مال و منال غرضیکہ ہر قسم کے چڑھاووں سے مستفیض و مستفید یہ پجاری اور پروہت ہی ہوتے ہیں۔

مشرکانہ عقائد رکھنے والی غیر عرب قومیں جب اسلام میں داخل ہوئیں تو ان کے ساتھ ان کے باطل اور مشرکانہ مذہب کے اکثر تصوّرات بھی در آئے۔ چنانچہ اکثر مطلب اور مفاد پرست اور بڑے ہوشیار و کیّاد لوگوں نے اسلام کے دین توحید کے آگے بظاہر مفتوح ہو کر توحید کے چشمۂ صافی کو گدلا کرنا مطمحِ نظر بنایا اور ان قوموں کے سابقہ مذہب کے باطل نظریات کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش کی۔ اس میں کچھ لوگ اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے بھی ملوّث ہو گئے، پھر بدعات کا رواج ہوا۔ انبیاءؑ، صحابہؓ، اولیاءؒ و صلحاءؒ کے نام پر مقبرے، تکیے اور درگاہیں بنا کر انہیں معبد کا مقام دے دیا گیا۔ پھر مفاد پرست اور کیّاد لوگ، اُن پر مجاور بن کر بیٹھ گئے تاکہ ان بزرگوں کے نام پر نذریں آئیں نیازیں چڑھیں اور اُن کو یہ سنہری موقع مل جائے کہ وہ لوگوں کی سادہ لوحی اور اُن کے حقیقی دین سے عدم واقفیت سے فائدہ اٹھا کر اپنا حلوہ مانڈہ اور اپنی خواہشاتِ نفس پوری کر سکیں۔ پھر یہ سجادہ نشینی وراثت کے طور پر ان کی اولاد کو منتقل ہو جاتی رہے تاکہ یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ جاری رہے۔ وہ لوگوں سے کہتے کہ یہ مشائخ اور بزرگ مقربینِ بارگاہِ ربّ العرش ہیں۔ تم ان کے توسّط سے اپنی دنیوی مرادوں کو بارگاہ خداوندی سے پوری کرا سکو گے۔ پھر ان میں سے بعض ان مشائخ اور بزرگوں کو تکوینی اُمور میں فی نفسہٖ متصرّف بھی قرار دیتے اور لوگوں کو بہکاتے کہ ان بزرگوں کی ارواح اگر متوجّہ ہو گئیں تو تمہاری بگڑی بن سکتی ہے اور تمہاری مرادیں بارآور ہو سکتی ہیں۔ ان بزرگوں

کو متوجّہ کرنے کا ذریعہ یہ خود اپنے آپ کو قرار دیتے، بزرگوں کی ارواح کو متوجہ کرنے کے لئے پہلے ان کو خوش کرنا ضروری ہوتا، اور بزرگوں کے مزاروں پر جو بھی نذر و نیاز دی جاتی، اس سے وہی متمتع ہوتے۔ یہ ان ہی شاطر لوگوں کا بنایا ہوا نظام ہے کہ آج مسلمان عوام النّاس اور جُہلاء کی عظیم اکثریت اولیاء پرستی، اور قبر پرستی کی لعنتوں میں مبتلا ہے۔ مشائخؒ اور اولیاء کی قبریں گوشے گوشے میں موجود ہیں۔ کچھ واقعی بزرگ اور صالح ہستیاں تھیں۔ لیکن اکثر بناؤٹی لوگوں کے مزارات ہیں، جن کے عرس منائے جاتے ہیں، جن کی قبور پر چادریں چڑھائی جاتی ہیں، نذر و نیاز پیش کی جاتی ہے، دعائیں مانگی جاتی ہیں، مُراقبے کئے جاتے ہیں، پیشانیاں رگڑی جاتی ہیں۔ اور لوگ ان عرسوں میں شرکت اور مزاروں کی زیارت کے لئے دُور دراز کے سفر کرتے ہیں اور بے شمار محرّمات کا ارتکاب کیا جاتا ہے جن کا حرام ہونا شریعت میں ثابت ہے، اور ان سب کا مادّی فائدہ مجاوروں کو پہنچتا ہے۔

پھر نہ معلوم کتنی مشرکانہ بدعتیں ہیں، جو صحابہ کرامؓ، صحابیاتِؓ عظّام اور نبی اکرمؐ اور ازواجِ مطہّراتِ رسولؐ کے نام سے موجود ہیں۔ ان کے ناموں سے خاص خاص مہینوں اور تاریخوں میں پکوان پکتے ہیں، دیگیں چڑھتی ہیں، کونڈے ہوتے ہیں۔

پھر نہ معلوم کتنی جگہیں ہیں جہاں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرامؓ کے تبرّکات اور آثار بتائے جاتے ہیں، پھر اُن کی زیارت کرانا ایک مستقل کاروبار بنا ہوا ہے جس کی فتنہ انگیزیاں مشہور و معروف ہیں۔ الغرض اس مشرکانہ اور مبتدعانہ نظام سے مالی منفعت اس نظام کے سرپرستوں، مجاوروں اور پیروں کو پہنچتی ہے جو وراثت میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔

اولیاء پرستی، قبور پرستی، آثار و تبرّکات پرستی، نسب پرستی، رسم اور بدعت پرستی اپنی روح کے اعتبار سے بعثتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام سے قبل کے مشرکانہ مذہب سے پوری طرح مماثلت رکھتی ہے۔ یہ مشرکین دیوی دیوتاؤں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے سفارشی سمجھتے تھے۔ جیسا کہ سورۂ الزّمر کی دوسری آیت میں ان کے باطل عقیدے کا بایں الفاظ اظہار فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ — وہ لوگ جنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر دُوسرے

اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی

کارساز بنا رکھے ہیں (وہ اپنے اس عمل کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ بارگاہِ خداوندی تک ہماری رسائی کرادیں (اور ہماری سفارش پہنچادیں۔

غور کیجئے کہ اُس بت پرستی جس میں مشرکین مکّہ مبتلا تھے اور عوام النّاس اور نام نہاد صوفیاء اور پیروں کے اختیار کردہ اس نظام میں رُوح کے اعتبار سے کیا فرق رہ جاتا ہے، جس کا میں نے اپنی اس گفتگو میں حوالہ دیا ہے — نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وصال سے قبل دورانِ علالت ہی میں ایک روز یہود و نصاریٰ کو جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد معابد بنا لیا تھا، اللہ کی طرف سے لعنت زدہ قرار دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرتِ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے مروی ہے کہ :

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ لَمْ یَقُمْ مِنْہُ لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ ھِمْ مَسَاجِدًا (مسلم)

حضرت عائشہ صدّیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے اس مرض میں جس سے حضور صحت یاب نہ ہو سکے، فرمایا اللہ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی ہے، جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد (سجدہ گاہیں اور معبد) بنا لیا تھا۔

سیرتِ فاروقیؓ میں مذکور ہے کہ آنجنابؓ کے دَورِ خلافت میں جب آپؓ کو علم ہوا کہ لوگ حُدَیبیہ کے مقام پر اس درخت کی زیارت کو جاتے ہیں اور وہاں نوافل ادا کرتے ہیں، جس کے نیچے نبی اکرمؐ نے بیعتِ رضوان لی تھی، تو آپؓ نے لوگوں کو ڈانٹا اور حکم دیا کہ درخت کاٹ دیا جائے۔ اس معاملہ پر آپؓ نے ایک خطبہ بھی دیا جس میں فرمایا: "اے لوگو! میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ تم عُزّیٰ کی پرستش کرنے لگے ہو۔ سُنو! آج کے بعد میں نہ سُنوں کہ کوئی شخص اِدھر آکر مصروفِ نماز ہوا۔ اگر مجھے کسی کے بارے میں ایسی بات پہنچی تو میں اسے قتل کرادوں گا، جیسے مرتد کو قتل کرا دیا جاتا ہے" (ماخوذ از عمرؓ بن خطاب تالیف طنطاوی)

حضرت عمر فاروقؓ کے اس عمل اور موقف کی روشنی میں ہر سمجھدار شخص ان پرستشوں کا مقام از خود معیّن کر سکتا ہے جو مختلف انواع سے انبیاءؑ، صحابہؓ، اولیاء اور صُلحاء کی قبوروں کی، کی جارہی ہے — اب آئیے محبّت کی طرف جو عبادت کی رُوح ہے۔

محبّت | اب آئیے عبادت کے دوسرے جزو یعنی محبّتِ الٰہی کی طرف — مَیں نے مثال دی تھی کہ اطاعت اور محبّت میں وہی تعلق ہے جو جسم اور روح میں ہے۔ اطاعتِ خداوندی ایک جسد کے مانند ہے اور محبّتِ الٰہی اس کی روح ہے۔ مَیں عرض کر چکا کہ اطاعت مارے باندھے کی بھی کی جاتی ہے، مجبوراً بھی کی جاتی ہے، لیکن ایسی اطاعت اللہ کے ہاں قبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو اطاعت قبول ہو گی اُس میں دلی محبّت اور کمالِ شوق جو رُوحِ عبادت ہے لازمی طور پر مطلوب ہے ؎

شوق اگر ترا نہ ہو میری نماز کا امام — میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

امام ابن تیمیہؒ اور امام غزالی رحمہما اللہ نے لفظِ عبادت کی تشریح یوں کی ہے کہ دین کی اصطلاح میں عبادت اس طرزِ عمل کا نام ہے جس میں اپنے حقیقی آقا و مالک و خالق یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے ایک طرف کمال تذلّل، عاجزی اور فروتنی اور دوسری طرف کمال محبّت ہونا لازم ہے۔ عبادت وہی کہلائے گی جس میں کمال تذلّل اور کمال محبّت دونوں شامل ہوں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ محبّتِ الٰہی دراصل عبادتِ ربّ کا جُزوِ لاینفک ہے۔

عقل کا فیصلہ | یہ بات دو اور دو چار کے کُلیّہ کی طرح سمجھ میں آنے والی ہے۔ جب ہم نے تسلیم کر لیا کہ اللہ ہی ہمارا خالق و مالک اور ہمارا ربّ اور رازق ہے، پھر یہ کہ موت درحقیقت ایک عارضی وقفہ ہے۔ ایک دن آنے والا ہے جس دن ہمیں اپنے خالق کے حضور پیش ہو کر اس دُنیا کے تمام اعمال اور تمام ارادوں کا حساب کتاب دینا ہے اور اسی محاسبۂ اُخروی میں کامیابی پر جنّتِ نعیم میں بطور جزاء دخول و خلود ہے اور ناکامی پر بطور سزا جہنّم میں داخلہ و خلود ہے۔ لہٰذا ہمارا اصل مقصود و مطلوب اللہ کی رضا ٹھہرا۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ ہمارا مقصود و مطلوبِ حقیقی اللہ عزّوجلّ کی ذاتِ گرامی ہوئی۔ اس طرزِ فکر کا منطقی نتیجہ یہ ہو گا کہ جس طرح ہماری تمام اطاعتیں لازمی طور پر اللہ کی اطاعت کے تابع ہونی چاہئیں، ٹھیک اُسی طرح ہماری ساری محبّتیں بھی لازماً اُسی اور صرف اسی کی محبّت کے تابع ہونی چاہئیں۔ اس نقطۂ نظر اور طرزِ عمل کا نام ہو گا توحید فی الحُبّ۔ اس کے برعکس کسی اور کی محبّت خدا کی محبّت کے برابر آ گئی تو یہی شرک ہے، اور اگر کسی کی محبّت خدا کی محبّت پر غالب آ گئی تب ؟ اس کے لئے کوئی اصطلاح میرے پاس نہیں ہے لیکن منطق کا تقاضا یہ ہے کہ یہ شرک سے بھی بڑا اور گھناؤنا جرم ہو گا۔

خدا کی محبت از روئے قرآن حکیم | جس طرح اطاعتِ الٰہی کے لئے ہم نے قرآن مجید کی نصوص کی طرف رجوع کیا تھا اور اس بات کو قرآن حکیم ہی سے سمجھا تھا۔ اسی طرح محبتِ الٰہی کے لئے بھی قرآن حکیم ہی سے معلوم کیجئے کہ وہ محبتِ الٰہی کا کیا مقام مقرر کرتا ہے۔ چونکہ ہمارے لئے حجتِ قاطع فرمانِ الٰہی ہی ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید میں ایمان کا لازمی تقاضا اسی محبتِ الٰہی کو قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (آیت ۱۶۵) — اور اہلِ ایمان سب سے بڑھ، اور سب سے زیادہ اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔

یہاں لفظ "اشدّ" استعمال فرمایا گیا جو افضل التفضیل کا صیغہ ہے۔ اس لفظ کے استعمال سے اس حقیقتِ کبریٰ کو واضح کیا گیا کہ صاحبِ ایمان لوگوں کی کیفیت تو یہ ہوتی ہے کہ وہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں اللہ کی محبت کے آگے تمام دوسری محبتیں ہیچ ہوتی ہیں ــــ دیکھئے یہاں اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط فرما کر دوسری محبتوں کی نفی نہیں کی گئی ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور انسان کی جبلت و فطرت میں اللہ تعالیٰ ہی نے علائقِ دنیا اور اسبابِ دنیا کی محبت ودیعت فرمائی ہے۔ جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج (سورہ آلِ عمران آیت ۱۴) — لوگوں کیلئے خوشنما بنا دی گئی ہے رغبت کی محبت (خواہ) عورتوں سے ہو، بیٹوں سے یا انبار لگے ہوئے سونے اور چاندی سے یا نشان زدہ گھوڑوں سے یا مویشیوں سے یا زراعت سے ہو۔ یہ سب دنیوی زندگی کے برتنے کے سامان ہیں۔

لہٰذا دوسری تمام محبتیں اگر اللہ کی محبت کے تابع ہیں تو یہ ہے توحید۔ اور اگر اللہ کی محبت کے برابر کوئی دوسری محبت دل کے سنگھاسن پر براجمان ہو گئی تو یہ ہے شرک۔

تقابلی محبتیں | اس بات کو قرآن حکیم ہی کے ایک دوسرے مقام سے بھی سمجھ لیجئے۔ سورۂ توبہ میں فرمایا: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ

اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (آیت ۲۴)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ: "اے نبیؐ! آپ (قرآن کے تمام مخاطبین بالخصوص مدّعیانِ ایمان سے صاف صاف اور دوٹوک) فرما دیجئے کہ اگر تمہارے لئے تمہارے والدین اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتے دار اور تمہارے اموال، جو تم کماتے ہو اور تمہاری تجارت جس کی کساد بازاری (اور ماند اور بند ہو جانے) کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور تمہارے یہ مکان اور بلڈنگیں (اور ان کا سامانِ زیبائش و آرائش) جو تم کو بہت پسند ہے، اگر محبوب تر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد (کش مکش) سے، تو (دفع ہو جاؤ) گومگو کی حالت میں مبتلا رہو اور اُس وقت کے منتظر رہو جبکہ اللہ اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے۔ اور اللہ ایسے فاسقوں اور نافرمانوں کو ہدایت سے سرفراز نہیں فرماتا"۔۔۔ اللہ کو ایسے دُنیا پرستوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے جن کا طرزِ عمل گواہی دیتا ہو کہ اُن کو علائقِ دنیا، اور اسبابِ دنیا اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے محبوب تر ہیں۔

مَیں نے اس آیتِ کریمہ کے مضمرات کو ترجمے میں کھولنے کی اپنی امکانی حد تک کوشش کی ہے: سورۃ البقرہ کی آیت ۱۶۵ کا جُز: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط اور سورۂ توبہ کی یہ آیتِ کریمہ جو مَیں نے ابھی آپ کو سنائی، اس بات پر سلطانِ سند دلیل اور برہانِ قاطع کا مقام رکھتی ہیں کہ اللہ کی محبت علائق اور اسبابِ دنیا کی تمام محبتوں سے بالا و بلند اور ورا ہونی عین توحید کا اقتضا ہے، اور اگر کوئی اور محبت اللہ کی محبت کے برابر آ گئی یا اس پر غالب آ گئی تو یہ توحید کی ضد یعنی عین شرک قرار پائے گی۔

اعجازِ قرآن مجید قرآن کا اعجاز دیکھئے کہ ایک آیت میں ان تمام اہم محبتوں کا احاطہ کر لیا گیا۔ جن سے اس دنیا میں انسان کو عملی طور پر واسطہ پڑتا ہے اور جو اس کے پاؤں کی بیڑیاں بنتی ہیں۔ علائقِ دنیا میں سے پانچ محبتوں کا ذکر کیا۔ پہلی ماں اور باپ، دوسری اولاد، تیسری بھائی بہن، چوتھی بیویاں اور پانچویں رشتہ داروں

کی محبت کا۔ اسی مقام پر غور و تدبر کیجئے تو یہ عقدہ بھی کھلے گا کہ قوم کی محبت، رنگ و نسل کی محبت، زبان و لسان کی محبت حتیٰ کہ وطن کی محبت ان ہی پانچ محبتوں کے لوازمات و مقتضیات و مضمرات میں شامل ہیں۔ پھر اسباب و سامانِ دُنیا میں سے تین محبتوں کا ذکر کیا۔ پہلی مال کی، دوسری تجارت کی، تیسری مساکن (مکانات) کی۔ گویا اس طرح ہماری معاشی و اقتصادی زندگی کے تمام تقاضوں اور حاجتوں کا احاطہ کر لیا گیا۔ ان آٹھ محبتوں کے مقابلے میں تین محبتیں پیش کی گئیں۔ ایک اللہ کی محبت دوسرے رسولؐ کی محبت۔ جس طرح اطاعت کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اطاعت کے باب میں اللہ اور رسول ایک وحدت ہیں۔ اسی طرح محبت کے معاملے میں بھی اللہ اور رسول کی محبت ایک وحدت ہی ہوتی ہیں جس کا میں آگے اختصار کے ساتھ ذکر کروں گا۔ تیسرے اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت۔ جہاد دراصل وہ کسوٹی ہے جس پر مدّعیانِ ایمان کے دعویٔ ایمان کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ اس پر مفصل گفتگو ہمارے منتخب قرآنی نصاب میں سورۂ حج کے آخری رکوع۔ سورۃ الحجرات سورۃ الصّف اور سورۂ عنکبوت کے پہلے رکوع کے مطالعہ کے موقع پر ہوتی ہے اور "حقیقتِ جہاد" پر ایک تفصیلی تقریر بھی کی جاتی ہے ـــ سورۂ توبہ کی اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کے ہاتھ میں ایک ترازو دے دی ہے۔ اس کے ایک پلڑے میں آٹھ محبتیں اور دوسرے پلڑے میں تین محبتیں رکھ کر ہر مسلمان خود اپنے طور پر اپنے دعویٔ ایمان اور دعویٔ توحید کو جانچ اور پرکھ سکتا ہے۔ اگر علائق و اسبابِ دنیا کی محبتوں کا پلڑا اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کی محبتوں کے پلڑے سے ہلکا اور کم تر ہوا تو وہُوَ المراد۔ ایسا شخص اپنے دعویٔ ایمان و توحید میں سچّا، اور راست گو ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت ہے کہ: اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ اور اگر ان علائق و اسبابِ دُنیوی کی محبتوں کا پلڑا اللہ، اس کے رسول اور راہِ جہاد کی محبتوں کے پلڑے سے بھاری اور بالاتر ہو گیا تو ایسے مدّعیٔ ایمان و توحید کیلئے اللہ تعالیٰ کی یہ جھڑکی ہے کہ: فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ط اور یہ وعید ہے کہ: وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ اور خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ط چونکہ لاریب یہ طرزِ عمل شرک فی الحبّ ہے۔

اُسوۂ ابراہیمیؑ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اپنی تقریر کے بالکل آغاز میں حضرت ابراہیم

علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے متعلق جو خلیل اللہ اور ابوالانبیاء والمرسلین اور امام الناس ہیں۔ یہ عرض کیا تھا کہ آنحضورؐ کو اللہ تعالیٰ کی جناب سے جو سب سے بڑی سند قرآن میں عطا ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ ان کی شان میں متعدد مقامات پہ فرمایا گیا کہ: وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ — اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیلؑ کو یہ سند بہت سے امتحانات لے کر اور بہت سی آزمائشوں میں مبتلا فرما کر عطا کی ہے، جیسا کہ خود فرمایا:

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ	اور جب پروردگار نے ابراہیمؑ کی چند باتوں
فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ	(امتحانات) میں مبتلا کر کے آزمائش کی پس وہ
لِلنَّاسِ إِمَامًا (البقرہ ۱۲۴)	ان میں پورے اُترے (تو) خدا نے فرمایا کہ میں
	تم کو لوگوں کا امام (پیشوا) بناؤں گا۔

قرآن حکیم ہی سے ان آزمائشوں کے احوال معلوم ہو جاتے ہیں، جن سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام گزارے گئے۔ دعوتِ توحید پہ باپ کی جھڑکیاں سنیں، سنگسار ہونے کی دھمکی سنی۔ قوم کی طرف سے جَور وستم اور ظلم و تعدّی کے شکار ہوئے۔ آگ کے الاؤ میں ڈالے گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے فضل و کرم سے ان کو اس آزمائش سے نجات عطا فرمائی۔ پھر اس موحّدِ کامل نے ماں باپ، بہن بھائی، کنبے والے چھوڑے۔ حتّٰی کہ قوم اور وطن کو اللہ کی محبّت کی خاطر یہ کہتے ہوئے چھوڑ دیا اور راہِ خدا میں ہجرت فرمائی کہ: وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝ (الصّٰفّٰت ۹۹): اور (ابراہیمؑ نے) کہا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں، وہ مجھے رستہ دکھائے گا، میرے لئے راہ کھولے گا"۔ پھر بڑھاپے میں اللہ سے مناجات کر کر کے ایک صالح بیٹا لیا: رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ "اے میرے آقا! مجھے سعادت مند اولاد عطا فرما"۔ تراسی سال کی عمر میں حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام جیسے نیک اور سعادت مند فرزند عطا ہوئے۔ بڑھاپے کا سہارا، آنکھوں کا تارا، دل کا دُلارا۔ لیکن اسی بچّے کو جو دعائیں کر کر کے مانگا گیا تھا اسی کو اس کی ماں کے ساتھ عین عالمِ شیر خواری میں اللہ کے حکم سے وادیٔ غیر ذی زرع اور لق و دق صحرا میں جہاں میلوں نہ پانی کا پتہ نہ سائے کا وجود، چھوڑ دیا گیا۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور قدرتِ کاملہ سے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے لئے تمکّن اور اسبابِ معیشت پیدا فرما دئے۔ جب بیٹا بچپن سے نکل کر لڑکپن (TEENAGE)

کے قدر میں داخل ہوا تو باپ کی محبّت کا۔ اس باپ کی محبّت کا جو سو سال کے پیٹے میں ہے اور جس کا صرف ایک ہی اکلوتا بیٹا ہے۔ جو عالم ہوگا اس کا احساس ہر قلبِ حسّاس بآسانی کرسکتا ہے۔ اب آزمائش آئی، بڑی کڑی آزمائش۔ خود قرآن گواہی دیتا ہے کہ یہ بڑا ہی سخت امتحان تھا جو خلیل اللہؑ سے لیا گیا، جیسا کہ فرمایا: اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ○ (الصّٰفّٰت ۱۰۶)۔ اس امتحان کی رُوداد خود اللہ تبارک وتعالیٰ کی زبانی سُنئے، فرمایا:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ط (الصّٰفّٰت ۱۰۲)

جب وہ (یعنی اسمٰعیلؑ) ان (ابراہیمؑ) کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو انہوں (ابراہیمؑ) نے کہا۔ اے میرے پیارے بیٹے! مَیں خواب میں دیکھتا ہوں کہ مَیں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔ پس تم بتاؤ اور سوچو کہ تمھارا کیا خیال ہے؟

بیٹا کوئی عام بیٹا نہیں تھا، خلیل اللہ کی دُعا کا ثمرہ تھا، جس کی شرط تھی کہ: رَبِّ ھَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ خلیل اللہ، ابوالانبیاء والمرسلین، امام النّاس کا بیٹا، خود نبوّت و رسالت پر فائز ہونے والا بیٹا، اور رحمۃٌ للعالمین، سیدالمرسلین، خاتم النبیّن، سرورِ عالمؐ شافعِ محشر جناب محمّد رسول اللہ وعبدہٗ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے جدِّ امجد ہونے کے شرف کا حامل ہونے والا بیٹا تھا اور وہ جانتا تھا کہ میرے باپ نبی ہیں اور نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے لہٰذا یہ صالح اور سعادت مند بیٹا جواب میں کہتا ہے کہ:

قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت ۱۰۲)

(بیٹے نے) کہا کہ ابّا جان! جو آپ کو حکم ہوا، آپ وہی کیجیے۔ خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔

پس از روئے قرآنِ حکیم دنیا کی ہر شے کی محبّت پر خواہ وہ اپنی ذات ہو، علائق ہوں، خونی رشتے ہوں اور اسباب وسامانِ دُنیوی ہو، اللہ کی محبّت، اس کے رسول کی محبّت اور جہاد فی سبیل اللہ کی محبّت غالب وحاکم اور بالاتر نہ ہو، اور ان تین محبّتوں پر تمام محبّتیں قربان کرنے کا جذبۂ صادق اور داعیہ دل میں موجود نہ ہو تو نہ ایمان معتبر نہ توحید پرستی کا دعویٰ قابلِ اعتبار ہے

تو بچا بچا کے نہ رکھ اِسے ترا آئنہ ہے وہ آئنہ کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں!

توحید فی المحبّت یہ ہے کہ جس طرح تمام اطاعتیں اللہ کی اطاعت کے تابع ہونا بھی لازم و لابُد ہیں، اسی طرح تمام محبّتیں اللہ تعالیٰ کی محبّت کے تابع ہونا لازم و لابُد ہیں۔ اس کے خلاف نقطۂ نظر اور طرزِ عمل شرک ہے، لاریب شرک ہے!

محبّتِ رسولؐ بھی لازم ہے | سورۂ توبہ کی جو آیت ۲۴ میں نے تلاوت کی ہے وہ اس بات پر نصِ قطعی اور برہانِ قاطع ہے کہ جس طرح اطاعت کے ضمن میں اللہ اور رسولؐ ایک وحدت ہیں، اُسی طرح محبّت کے معاملے میں بھی اللہ اور رسول ایک وحدت ہیں — اب اس ذیل میں نبی اکرمؐ کی ایک حدیث بھی سُن لیجئے تاکہ یہ بات مکمل ہو جائے، حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اُسے محبوب تر نہ ہو جاؤں اس کے اپنے باپ سے، اُس کے اپنے بیٹے سے اور تمام انسانوں سے۔

یہاں یہ نکتہ بھی سمجھ لیجئے کہ محبّتِ رسول کے لوازم میں حضورؐ پر ایمان لانا، حضورؐ کی تصدیق کرنا، حضورؐ کی اطاعت کرنا، حضورؐ کی توقیر و تعظیم کرنا اور حضورؐ کا اتّباع کرنا سب کچھ شامل ہے[1]۔ اطاعت کے ذیل میں قرآن حکیم کے نصوص اور حضورؐ کا یہ ارشاد میں آپ کو سنا چکا کہ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوٰاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ — یہاں حضورؐ کے اتّباع کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بھی سُن لیجئے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ط (آلِ عمران آیت ۳۱)

(اے نبیؐ!) فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبّت رکھتے ہو تو میرا اتّباع کرو، اللہ تم سے محبّت کرے گا، تمہاری خطاؤں کو ڈھانپ دے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے!

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تصدیق، اطاعت اور اتّباع کے بغیر دعویٰ محبّت اللہ

---

[1] اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کے خطاب: نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں ملاحظہ فرمائیں (مرتب)

کے ہاں قبول نہیں۔ ابوطالب کو حضورؐ سے محبت تھی، اور واقعی محبت تھی۔ لیکن انہوں نے حضورؐ کی بحیثیت رسول تصدیق نہیں کی، حضورؐ کی اطاعت و اتباع سے اعراض کیا۔ نتیجہ معلوم کہ حضورؐ خود فرماتے ہیں کہ ابوطالب کو جہنم میں سب سے ہلکا عذاب دیا جائے گا جو یہ ہوگا کہ اُن کو جہنم کے جوتے پہنائے جائیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُن کا دماغ اس طرح کھولے گا جیسے ہانڈی میں آگ پر پانی کھولتا ہے (اللّٰھم نعوذ بک من عذاب النار) اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت سے عملاً رُوگردانی کرنے والے لیکن محبتِ الٰہی اور عشقِ رسولؐ کا زبانی دعویٰ کرنے والے اس آئینے میں اپنا مآل اور اپنا انجام دیکھ سکتے ہیں (جاری)

بقیہ تذکرہ وتبصرہ صفحہ ۱۴ سے آگے

اصلاحی صاحب نے خطاب کیا اور کہا:

"بھائیو! میں سب سے پہلے اس حقیقت کا اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ میں اس اجتماع میں برکت دینے کے لئے نہیں بلکہ برکت لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں ۔۔۔ لیکن میرے عزیز بھائی شیخ سلطان احمد صاحب اور برادرِ عزیز ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی مجھے یہ خواہش بھی معلوم ہوئی کہ میں آپ کے سامنے تقریر بھی کروں۔ تو میں نے ان کی خواہش کی تعمیل ضروری سمجھی ۔۔۔" (ماخوذ از میثاق اگست ۷۶ء)

مزید آنکہ

۱۷- فروری ۷۳ء کو اصلاحی صاحب نے ڈاکٹر اسرار احمد کی قائم کردہ اس انجمن کے نام مبلغ پچیس ہزار نقد کے عوض اپنی جملہ تصانیف کا حقِ اشاعت منتقل کیا جس کے بارے میں اب وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ: "اس نے جو انجمن قائم کی ہے اس میں بھی اس نے قادیانیوں کے نظام کی تقلید کی ہے اور اس میں اپنا مقام اس نے وہی رکھا ہے جو قادیانیوں کے نظام میں اس کے خلیفہ کا ہے ......!"

بعد ازاں اسی سال ۱۱ر دسمبر کو "تدبّرِ قرآن" جلد چہارم کے حقوقِ اشاعت بھی بعوض پانچ ہزار روپے نقد اسی انجمن کے ہاتھ فروخت کیے ۔۔۔ اور

۱۳- جنوری ۷۶ء کو اسی انجمن کے تحت قائم ہونے والے ادارے "قرآن اکیڈمی" کی تعمیر کے آغاز کے موقع پر منعقدہ اجتماع برائے دُعاءِ اجتماعی میں اصلاحی صاحب نے حصّہ لیا ۔۔۔ اور تعمیرات کا سنگِ بنیاد نصب کرنے میں علی رؤوس الاشہاد ڈاکٹر صاحب کے شایانِ شان شرکت کی

قرآنِ حکیم اور حفظِ صحّت

از

پروفیسر ڈاکٹر احسان الحق رانا سابق پروفیسر و صدر
شعبہ علم الاغذیہ و صحّت، دار العلوم صحّت۔ حکومتِ پنجاب

انسان کی تخلیق اور کائنات میں اس کی برتری کا ذکر قرآن مجید میں کثرت سے بیان ہوا ہے۔ "سورۃ التین" میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا (۹۵ : ۴)۔ دیگر مقامات پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اور فرشتوں کو اس کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا (۲ : ۳۰-۳۴، ۶ : ۱۶۵، ۷ : ۱۱، ۱۵ : ۲۸-۲۹، ۲۷ : ۶۲) اور یہ کہ "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب کو خدا نے تمھارے قابو میں کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں؟" (۳۱ : ۲۰)

سورۃ "اعلیٰ" میں فرمایا: اپنے پروردگارِ جلیل الشّان کے نام کی پاکیزگی بیان کرو جس نے (انسان کو) بنایا، پھر (اس کے) اعضا کو درست کیا اور جس نے (اُس کا) اندازہ ٹھہرایا، (پھر اس کو) رستہ بتایا اور جس نے نبات اُگائیں، پھر اُن کو سیاہ رنگ کا کوڑا کرکٹ کر دیا" (۸۷ : ۱-۵) اِن آیات میں اللہ تعالیٰ کی شرک سے پاکیزگی بیان کرنے کا حکم ہے کہ اُس نے بلا شرکتِ غیرے انسان کو بنا کر درست اعضاء عطا کئے۔ جن کی کارکردگی کے قوانین وضع کر کے نیکی اور بدی کے راستوں سے آگاہ کیا۔ قانون یا تقدیر یہ بنائی کہ: گندم از گندم بروید جَو ز جَو" اور ہدایت یہ فرمائی کہ: "از مکافاتِ عمل غافل مشو" کہ اعمال کی جزاء و سزا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر ملے گی۔ اعضاء کی کارکردگی کا انحصار کیونکہ سامانِ زیست و آسائش پر ہے۔ اِس لئے خُدا نے نباتات اُگائیں جن سے انسان خوراک، پوشاک اور گھر بنانے کے لئے لکڑی حاصل کرتا ہے۔ نباتات سے چارپایوں کی بھی پرورش ہوتی ہے جن سے گوشت، اُون، کھالیں اور بار برداری جیسی آسائشیں میسّر آتی ہیں۔ یوں تو نباتات

کی مدت دائمی ہے مگر مرکر سیاہ رنگ کا کوڑا ہو جانے پر بھی انسان انہیں کھاد کے طور پر کام میں لاتا ہے۔ ان سے سیاہ کوئلہ بنا ہے اور سیاہ معدنی تیل بھی جوان جانوروں کے گلنے سڑنے سے بنا ہے جنہوں نے نباتات پر پرورش پائی تھی۔ کوئلہ اور تیل توانائی کے وہ سرچشمے ہیں جن کے سامنے یورپ و امریکہ جیسے ترقی یافتہ ممالک بھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اعضاءِ جسمانی دو قسم کے کام کرتے ہیں: اولاً "افعال" جو خود بخود جاری رہنے والے جسمانی کام یعنی "PHYSIOLOGICAL FUNCTIONS" ہیں جو انسان کے بس میں نہیں۔ ثانیاً "اعمال" یعنی "PHYSICAL FUNCTIONS" جو انسان کے بس میں ہیں۔ مختار ہونے کی وجہ سے اعمال کی اچھائی برائی کا انسان خود ذمہ دار ہے۔ اعمال کے لئے اعضاء کی کارکردگی کا انحصار جسم کی درستی یعنی "تندرستی" اور "دماغی درستی" یا تندرستی پر ہے۔ صفائی اور خوراک، تندرستی کی دو اہم ترین ضروریات ہیں جبکہ دماغی درستی کا انحصار تعلیم کے ذریعہ علم حاصل ہونے پر ہے۔

خوراک کی کمی بیشی اور گندگی جسمانی افعال کی درستی میں فرق ڈال کر انسان کو بیمار اور کمزور کر دیتے ہیں اور اعمال بھی درست نہیں رہتے۔ اعمال کی راہنمائی دماغ سے عقل کرتی ہے۔ تندرستی کی حالت میں دماغی ساختیں تو بالکل درست ہوتی ہیں۔ لیکن بے علمی و جہالت کے ہوتے ہوئے عقل اچھا راہنما ثابت نہیں ہوتی تو انسان برے سے برا کام کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا۔ صدیوں پرانا یہ مقولہ غلط ہے کہ "تندرستی ہزار نعمت ہے"۔ ایک تنومند اور توانا، تندرستی سے بہرہ مند شخص منذرستی سے بے بہرہ ہو تو وہ فتنہ و فساد، لوٹ مار اور قتل و غارت گری جیسے اعمال سے اپنا اور معاشرے کا امن و سکون برباد کر کے تندرستی کو صد ہزار لعنت ثابت کرتا ہے۔

کسی کام کو کرنے کیلئے دل کا تعاون ضروری ہے، کیونکہ عملی عضو کام کرنے کے جبھی قابل ہوتا ہے کہ اُسے مطلوبہ مقدار میں توانائی میسر ہو۔ یہ توانائی خون کے ذریعہ دل مہیا کرتی ہے۔ پٹرول پمپ سے پٹرول ملنے پر ہی موٹر کار چل سکتی ہے۔ خون کی مطلوبہ مقدار مہیا کرنے کے لئے دل کا مطمئن ہونا ضروری ہے۔ تندرستی اور منذرستی کے ساتھ اطمینان قلب بھی شامل ہو جائے تو ایمان کی دولت ملتی ہے۔ ایمان کی انتہا عشق ہے۔ عشق کی حالت میں دل اس قدر مطمئن ہوتا ہے کہ عقل کے مشورے سے پہلے ہی وہ اپنا کام کر

گذرتا ہے۔ عقل سوچ ہی رہی ہوتی ہے کہ صدّیقِ اکبرؓ گواہی دے دیتے ہیں کہ اگر محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے تو بلاشبہ معراج ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ آتشِ نمرود میں کُود جاتے ہیں، اور جانوں کی امان کی راہ ہوتے ہوئے حسینؓ ابنِ علیؓ اپنے ہاتھوں اہل و عیال کی قربانی دے کر خود بھی قربان گاہ پہ چڑھ جاتے ہیں اور جان دے کر زندہ جاوید ہو جاتے ہیں۔

واقعۂ قتل کا ایک عینی شاہد ہوتے ہوئے انسان کا غیر مطمئن دل عقل کا مشورہ ردّ کر دیتا ہے۔ دل کو یہ خطرہ دکھائی دیتا ہے کہ مروّجہ قوانین کی موشگافیوں سے ملزم، قاتل ضمانت پہ، جرم ثابت نہ ہو سکنے پہ، اور یا تھوڑی سزا بھگتنے پہ رہا ہو کر انتقام لے گا تو انتظامیہ کوئی مدد نہ کر سکے گی۔ گواہی کے نام ہی سے شاہد کا دل دھڑکنے لگ جاتا ہے جس سے دورانِ خون خود دل کے اپنے ہی اندر تیز ہو جانے سے خون کی مطلوبہ مقدار ٹانگوں اور زبان کی طرف نہیں جا سکتی تو پاؤں عدالت کی طرف نہیں اٹھتے اور زبان گنگ رہتی ہے۔

صحّت | تندرستی اور مندرستی سے بہرہ ور ہو کر انسان خیر پہ عمل، اور شر سے اجتناب کرتا ہے۔ جس سے معاشرتی زندگی سُدھرنے سے انسان "معاشرتی درستی" سے ہمکنار ہوتا ہے۔ تندرستی، مندرستی اور معاشرتی درستی، تینوں ایک ساتھ میسّر ہونے کا نام "صحّت" ہے۔ "عالمی تنظیمِ صحّت" (WTIO) کے آئین کی رُو سے: "صحّت سے مراد مکمّل جسمانی دماغی اور معاشرتی درستی ہے، فقط بیماری اور کمزوری کا عدم وجود (یعنی تندرستی) نہیں!"

عالمی ماہرین کی صحّت کی یہ تعریف سورۃ التّین کی تفسیر ہے کہ فرمایا: "انجیر و زیتون کے ساتھ، اور طُورِ سینین کے ساتھ، اور اس امن والے شہر کے ساتھ کہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پہ پیدا کیا۔ پھر اس کو پست سے پست تر کر دیا، مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کے لئے بے انتہا اجر ہے!" (۹۵: ۱-۶) تندرستی کی اوّلین ضرورت خوراک ہے جس کا اظہار انجیر و زیتون سے کیا گیا، کہ فرمایا وہ درخت (زیتون) بھی (ہم ہی نے بنایا) جو طورِ سینا میں پیدا ہوتا ہے اور کھانے کیلئے روغن اور سالن لئے ہوئے اُگتا ہے!" (۲۳: ۲۰)۔ طورِ سینا خوراک کے علاوہ مکتب ہے پیغمبرانہ تعلیم کا کہ یہاں سے علم کے زیور سے آراستہ ہو کر حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی راہنمائی فرمائی تھی۔ امن والا شہر، نمونہ ہے معاشرتی درستی کا: بے شک سب سے پہلا گھر جو سارے جہان کے انسانوں

کے لئے بنایا گیا، وہی گھر ہے جو مکّہ میں ہے برکتوں سے بھرا ہوا اور سارے جہان کی ہدایت کا ذریعہ، اس میں کھلی نشانیاں۔ ابراہیم کا مقامِ عبادت ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہو گیا مامون ہو گیا!" (۳: ۹۶-۹۷)۔ ان تینوں ذرائع سے صحت مند ہو کر انسان اشرف المخلوقات اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ صحت کھو کر وہ اسفل سافلین بن جاتا ہے۔ صحت مندی کے صلح اعمال کا بے انتہا اجر ہے۔ بلاشبہ "صحت صد ہزار نعمت ہے"۔

آدم، اوّلین انسان، صحت مند ہونے کی وجہ سے مسجودِ ملائک بنا اور جنّت میں قیام کا مستحق ٹھہرا۔ یہاں پر اسے روٹی کپڑے اور مکان کی تگ و دو سے بے نیاز کر کے ہدایت کی گئی کہ "شیطان تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو یہ کہیں تم دونوں کو بہشت سے نکلوا نہ دے۔ پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ، یہاں تم کو یہ (آسائش) ہے کہ نہ بھوکے رہو گے نہ ننگے اور یہ کہ نہ پیاسے اور نہ دھوپ کھاؤ!" (۲۰: ۱۱۷-۱۱۹)۔ لیکن شیطان کی گمراہ کن تعلیم سے وہ دماغی درستی سے دُور ہو گئے تو حکم ہوا کہ "بہشتِ بریں سے چلے جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں (ایک وقتِ معیّن تک) ٹھکانا اور معاش مقرر کر دیئے گئے!" (۲: ۳۶) کہ یہاں صحت مند زندگی بسر کرنے پر انسان کو دوبارہ جنّت کا حقدار ٹھہرایا جائے گا۔

صحت مند زندگی بسر کرنے کے سادہ اور عام فہم قوانین کا ایک دستور اللہ تعالےٰ نے مرتّب کیا اور اسے تغیّر و تبدّل اور تلف ہونے سے بچانے کے لئے لوحِ محفوظ پر ثبت کر دیا۔ پھر یہ منادی کرا دی کہ "اے بنی آدم جب ہمارے پیغمبر تمہارے پاس آیا کریں، اور ہماری آیتیں تم کو سنایا کریں (تو ان پر ایمان لایا کرو کہ) جو شخص (اُن پر ایمان لا کر خدا سے) ڈرتا رہے گا وہ اپنی حالت درست رکھے گا تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے!" (۷: ۳۵)

بنی آدم کے قوموں میں بٹ جانے پر جب خود غرض و مکّار لوگ آئینِ الٰہی کو بدل دیتے اور لوگوں کو لاعلمی و جہالت میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ کی حاکمیّت کی جگہ اپنی حکومت قائم کر دیتے اور آزاد منش انسانوں کو غلام بنا لیتے تو اللہ تعالیٰ حالت سُدھارنے کے لئے قومی سطح پر پیغمبر بھیجتے۔ آدم کی نسل بہت زیادہ بڑھ کر جب رُوئے زمین پر پھیل گئی تو لوگ مشرکین و کفّار، یہود و ہنود اور صابئین و نصاریٰ جیسے مختلف النوع مذاہب میں بٹ گئے۔ "اللہ تعالیٰ اگر

چاہتے تو ایک بستی میں نذیر کھڑا کرتے!" (۲۵ : ۵۱) مگر منشائے الٰہی یہ ہوا کہ صرف ایک ہی نذیر بھیج کر عالمی سطح پر آئینِ الٰہی کا نفاذ کرایا جائے۔ پس لازم ہوا کہ لوحِ محفوظ پر ثبت دستور کے مطابق اصل مصدقہ نقل بنی نوعِ انسان کو مہیا کی جائے۔ مصدقہ کاپی کی منتقلی اور اس کی سپردداری کا کام نہایت نازک مرحلہ تھا جسے طے کرنے کے لئے جبریلِ امین جیسے معتمد اور امین فرشتے کو حاملِ وحی مقرر کیا گیا اور سپردداری کے لئے ایک ایسے کامل انسانؐ کا انتخاب کیا گیا جو دھونس، دھاندلی، سیم و زر، تخت و تاج اور رشوت و سفارش سے مرعوب نہ ہو سکے۔ جس کے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند رکھ دینے کا لالچ دیا جائے تو بھی وہ شعبِ ابی طالب میں محصور ہو کر معاشرتی مقاطعہ اور بھوک اور پھر گھر بار اور اہل و عیال کو خیرباد کہہ دینے کو ترجیح دے۔ اس بات کا بھی بندوبست ضروری تھا کہ دستور کی کاپی میں ردّو بدل نہ ہونے پائے اور نہ ہی یہ تلف کی جا سکے۔ ان باتوں کا ضمنہ خود اللہ تعالیٰ نے لے کر یہ سرٹیفکیٹ رقم کر دیئے: "نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کے لئے نذیر ہو!" (۲۵ : ۱)۔ یہ بڑی کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں ہمارے پاس (لکھی ہوئی اور) بڑی فضیلت اور حکمت والی ہے!" (۴۳ : ۳-۴) :-

"بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اُتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں!" (۱۵ : ۹)

اس بندوبست کے ساتھ نہ تو پھر کبھی دوبارہ دستور کے نزول کی ضرورت باقی رہی اور نہ ہی بعد میں کسی اور پیغمبر بھیجنے کی۔ ع

ماہِ نو کی کیا ضرورت، بدرِ کامل کی شبیہ
جب کلام اللہ کی ایک ایک آیت ہو گئی
جب محمدؐ کو ملا پیغامِ اکملتُ لکمُ
گُل ہمیشہ کیلئے شمعِ نبوّت ہو گئی

"اللہ تعالیٰ نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا تو کوئی ہے جو سوچ سمجھ!" (۵۴ : ۱۷) اور: "جن لوگوں نے اس کتاب سے اختلاف کیا وہ درست حالت سے دُور (ہو جاتے) ہیں!" (۲ : ۱۷۶) درست حالت یعنی جسمانی، دماغی اور معاشرتی درستی یا صحت کے ساتھ انسان خدا کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ کوئی بھی خالق و موجد یا مصوّر اپنے شاہکار کی بیقدری ہوتے دیکھ نہیں سکتا۔ بھلا "پکاسو" اپنی بے جان "مونا لیزا" کو مٹی میں رُلتے دیکھ سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو بھی یہ ہرگز پسند نہیں کہ صحت بگڑ کر اُس کے شاہکار کی بیقدری ہو۔ یہی مقصدِ اُولیٰ ہے خدا کی تسبیح اور عبادات و احکامات کا۔ ان سے نہ تو خوشامد کرانا مقصود ہے

اور نہ ہی ربوبیّت منوانا مطلوب ہے کہ "وہی خدا (تمام مخلوقات کا) خالق، ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا، اس کے بھی پسندیدہ نام ہیں۔ جتنی چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، سب اسکی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے!" (۵۹: ۴) "اگر وہ چاہے تو تم کو نابود کر دے اور (تمہاری جگہ) نئی مخلوق پیدا کر دے۔ اور یہ خدا کو کچھ بھی مشکل نہیں!" (۱۴: ۱۹-۲۰)۔ پس "جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو ہدایت سے اپنے ہی حق میں بھلائی کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے!" (۱۰: ۱۰۸) آسمانوں اور زمین کی چیزوں کے مقابلے میں دنیا کے چار ارب انسانوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ اگر سبھی انسان مل کر بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح نہ کریں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ اور اگر فرق پڑتا بھی تو یہ کون سی مشکل بات ہے کہ خدا ان سب انسانوں کو نابود کر کے تسبیح کرنے والی نئی مخلوق پیدا کر دے۔ احکاماتِ الٰہی پر عمل کرنے میں تو صرف انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے۔

قرآنِ حکیم انسانوں کی راہنمائی کے لئے ایک مکمل ضابطہ اور دستورِ زندگی ہے اور حضورؐ کی ذاتِ اقدس دستور پر عملی زندگی کا نمونہ ہے۔ تاکہ واضح ہو کہ دستور نفع بخش اور قابلِ عمل ہے۔ قرآن مجید وہ بحرِ بیکراں ہے جو دانائی اور علم و حکمت کے انمول موتیوں سے اٹا پڑا ہے۔ حفظانِ صحت کے علم الاغذیہ و صحت کے مضمون کے ایک طالب علم کی حیثیت میں، فنونِ پیرا کی و غوطہ زنی سے بے بہرہ ہوتے ہوئے، جو چند جواہر پارے حفظِ صحت کے مجھے کنارے پر کھڑے ملے ہیں وہ میں ملک کے ماہر قانون دانوں، علماء و حکماء اور دانشور جوہریوں کے اس اجتماع کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

(۱) تندرستی :- زندگی کو برقرار رکھنے اور کام کرنے کے لئے (۱) حرارت و توانائی، (۲) نشوونما اور مرمت، اور (۳) افعال کی درستگی کو اجزا کی ضرورت ہے۔ جسم کو ہوا اور پانی کے علاوہ (۱) نشاستہ جات (۲) روغنیات (۳) لحمیات (۴) نمکیات اور (۵) حیاتین کی ضرورت ہے۔ یہ پانچوں اجزا جسم کی تینوں ضروریات پوری کرنے کے لئے خوراکوں سے میسّر آتے ہیں۔ انسانوں کے لئے کوئی بھی ایک خوراک ایسی نہیں جو جسمانی ضروریات کے سبھی اجزا پوری مقدار میں فراہم کر سکے، جیسے کہ بھیڑیا، بکری صرف گھاس یا پتے کھا کر کر سکتی ہے کیونکہ ان کے معدے بڑے ہوتے ہیں۔ ایسے میں انسان کو ایک سے زیادہ خوراکیں ملا جلا اور بنا کر

کھانا پڑتی ہیں جسے "غذا" کا نام دیا گیا ہے۔ خوراک ہر وہ شے ہے جس کے کھانے سے جسم کی تین میں سے ایک یا ایک سے زیادہ ضرورتوں کے اجزاء بہم پہنچ سکیں۔ جسمانی ضروریات کے مطابق غذا کھاتے رہنے سے زندگی اور تندرستی کی اوّلین ایک ضرورت پوری ہوتی ہے۔

جسم کی تین غذائی ضروریات کے مطابق خوراکوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے (۱) اناج، مٹھاس اور نشاستہ دار زمینی سبزیاں اور (ب) نباتاتی اور حیواناتی روغنیات حرارت و توانائی کے اجزاء کے لئے (۲) دالیں، دودھ، انڈے، گوشت اور مغز دار پھل اور بیج، نشوونما اور مرمّت کے اجزاء کے لئے اور (۳) سبزیاں اور پھل جن میں گہرے سبز رنگ کے پتّوں والی سبزیاں اور زرد نارنجی رنگ والے پھل اور سبزیاں بہتر ہیں جسمانی افعال کی درستگی کے اجزاء مہیّا کرنے والی خوراکیں ہیں۔ چائے، تمباکو اور کولاجات جیسے مشروبات کے مصالحے وغیرہ خوراک نہیں، کیونکہ ان میں کوئی ایک بھی جسمانی ضرورت کے کام آنے کا جزو نہیں۔ دو سال سے کم عمر کے بچّوں کے علاوہ دودھ، انڈے، گوشت وغیرہ یعنی حیوانی منابع سے حاصل ہونے والی قیمتی خوراک باقی لوگوں کی غذا کے لئے لازمی جزو نہیں۔ اناج اور دالیں مل کر اُن کا نعم البدل ہیں۔ خوراکوں کے ہر ایک گروہ میں سے کم از کم ایک ایک خوراک کو شامل کر کے متوازن غذا بنائی جا سکتی ہے لیکن ایسی غذا مکمّل نہ ہوگی۔ متوازن انسانی غذا کے مکمّل ہونے کے لئے غذا کا (۱) جسمانی ضروریات کی مقدار میں ہونا، یعنی نہ کم نہ زیادہ (۲) زود ہضم یعنی جزوِ بدن ہونے والی ہونا (۳) من پسند یعنی ذائقہ دار ہونا (۴) صاف ستھرا ہونا (۵) کفایت کو میسّر آسکنے والی خوراکوں یعنی رزق پر مشتمل ہونا اور (۶) غیر خوراکی اشیاء یعنی چائے، تمباکو، اور کولا جات وغیرہ کا شامل نہ ہونا، مزید چھ ضروریات ہیں۔

غذا کی مقدار اور صفائی، یہ مکمّل غذا کے اہم ترین اور سب سے زیادہ توجّہ طلب عناصر ہیں۔ مگر بدقسمتی سے انہی دو سے سب سے زیادہ بے توجّہی برتی جاتی ہے جو انسان کی تندرستی بگاڑنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔ جسمانی ضروریات سے کم غذا کھاتے رہنے سے جسمانی افعال کی کارکردگی درست نہیں رہتی۔ صفائی کا دھیان نہ رکھنے پر "شیطان اور اس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں، جہاں سے تم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ خدا نے شیطانوں کو انہی کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے" (۷ : ۲۷)۔ ہمارے بندے ایوّب کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے ربّ کو پکارا کہ (بار الٰہا) شیطان نے مجھ کو ایذا اور تکلیف دے

رکھی ہے!" (۳۸ : ۴۱) حضرت ایوبؑ سخت قسم کی جلدی بیماری میں مبتلا تھے تو بیمار کرنے والے جراثیم وغیرہ بھی شیطان ٹھہرے۔ یہ شیاطین گندگی میں پرورش پا کر گھات میں لگے رہتے ہیں کہ دکھائی نہیں دیتے اور منتظر ہوتے ہیں کہ کب مناسب موقع ملے تو انسان پر حملہ آور ہو کر اسے بیمار و کمزور اور بے بس کریں اور غذا کے قوانین کو پسِ پشت ڈالنے، یعنی خدا کو یاد کرنے سے روکیں۔

جسم، ماحول اور یا اشیائے خورد و نوش کے گندہ ہونے پر شیاطین کو بیرونِ جسم پر سے اور اندرونِ جسم میں سے حملہ کرنے کا سنہری موقع ملتا ہے۔ غذا کی کمی بیشی اور گندگی کی آفت انسان کے لئے از حد گراں ثابت ہوتی ہے۔ اس سے معمولی بیماری بھی شدت اختیار کر لیتی ہے جس سے علاج معالجے پر خرچ بڑھ جاتا، کام کرنے کی اہلیت اور آمدنی گھٹ جاتی ہے، معاشی اور اقتصادی حالات بگڑنے سے دماغی درستی کم ہو جاتی ہے اور یوں انسان یادِ خدا اور معاشرتی درستی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ حفظِ ماتقدم کے لئے قرآنِ حکیم میں صفائی اور کھانے پینے کے متعلق واضح ہدایات یوں درج ہیں :

صفائی :- (اے پیغمبرؐ) تم انہی لوگوں کو نصیحت کر سکتے ہو جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے اور نماز بالالتزام پڑھتے ہیں اور جو شخص پاک ہوتا ہے اپنے ہی لئے پاک ہوتا ہے!— (۳۵ : ۱۸) : خدا پاک و صاف رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے!" (۹ : ۱۰۸) : مومنو جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو مُنہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھو لیا کرو) اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر پاک صاف ہو جایا کرو) خدا تم پر کسی طرح سے تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر گزار ہو!" (۵ : ۶) : نماز پڑھنے کا مقصدِ اولیٰ صفائی ہے، غسل سے جسم اور وضو کے فرائض سے جسم کے دن بھر ننگے رہنے والے حصّوں کو دن رات میں پانچ مرتبہ صاف ستھرا کرانا مقصود ہے۔ نماز کے لئے لباس اور جگہ کی صفائی بھی فرض ہے۔ ان انتظامات کے تحت قلعہ بند ہو جانے کے بعد شیاطین بھلا کیسے قلعہ کی فصیل یعنی جلد پر سے حملہ آور ہو سکتے ہیں۔

غذا :- اے بنی آدم ہر نماز کے وقت اپنے تئیں مزیّن کیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور بے جا نہ اڑاؤ، کیونکہ خدا بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ پوچھو تو زینت و آرائش

اور کھاتے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں خدا نے جو اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں، ان کو حرام کس نے کیا ہے؟ کہہ دو یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں اور قیامت کے دن انہی کا حصّہ ہوں گی"(۷: ۱)" خدا کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔(۶: ۱۴۲) : (اے پیغمبرؐ) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کون کون سی چیزیں ان کے لئے حلال ہیں۔ (ان سے) کہہ دو کہ سب پاکیزہ چیزیں تم کو حلال ہیں!"(۵: ۴) مومنو! جو پاکیزہ چیزیں تم پر حلال ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا!"(۵: ۸۷) : جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو دی ہیں اُن کو کھاؤ اور حد سے نہ نکلنا ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ ہلاک ہوگیا!"(۲۰: ۸۱)۔ نماز کے لئے مزیّن ہوکر قلعہ بند ہوجانے کے بعد لازم ہے کہ قلعے کے دروازے کی حفاظت کی جائے تاکہ اس راستے سے کوئی شیطانی دشمن یا ٹراجن کے گھوڑے (TROGEN HORSES) داخل نہ ہوسکیں، صرف مددگار و حلیف فوج یعنی پاکیزہ کھانے پینے کی چیزیں ہی اندر جاسکیں شیاطین تو جراثیم وغیرہ ہیں جبکہ ٹراجن کے گھوڑے گندگی اور غیر خوراکی اشیاء ہیں۔ گندگی اپنے اندر جراثیم وغیرہ کو چھپائے رکھتی ہے۔ جبکہ سگریٹ، تمباکو اور چائے وغیرہ میں نکوٹین، کیفین اور ٹینک ایسڈ جیسے دشمن چھپے رہتے ہیں۔ گندگی اور غیر خوراکی آلائشوں سے پاکیزہ خوراک حرام ہوجاتی ہے، اسے کھانا شیطان کے قدموں پر چلنا ہے۔

جسمانی ضروریات سے کم غذا کھاتے رہنے سے جسم نحیف و کمزور اور بیمار ہوجاتا ہے جو ترقی پذیر ممالک میں بیماریوں اور اموات کا سب سے بڑا سبب ہے۔ ضرورت سے زیادہ کھانا اسراف اور حد سے بڑھنا ہے جس سے خدا کی دوستی سے محروم ہوکر اس کے غضب میں مبتلا ہونا اور ہلاکت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زیادہ کھاتے رہنے سے معدے کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ بیگار کا یہ کام کرتے رہنے سے معدے کے خلیے بیمار ہوکر کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں جس سے انسولین کی پیداوار میں کمی آکر ذیابیطس کی بیماری جنم لیتی ہے۔ نظامِ انہضام کو زائد غذا چربی میں تبدیلی کرنا پڑتی ہے جس کے لئے خون کی ضروریات بڑھ جاتی ہیں۔ چکنائی کولیسٹرول کی شکل میں شریانوں کے اندر جمع ہوکر انہیں تنگ کر دیتی ہے، جس سے دورانِ خون میں خلل پڑجاتا ہے۔ چربی کے جسم پر جمع ہونے پر موٹاپا آکر وزن بڑھ جاتا ہے۔ اس زائد وزن کو اٹھائے پھرنے کے لئے ٹانگوں کے لئے بھی خون کی ضروریات بڑھ جاتی ہیں۔

ذیابیطس سے غذائی نشاستہ جات کا کارآمد نہ رہنا، زائد غذا کو چربی میں تبدیل کرنا۔ ٹانگوں کا زائد وزن اٹھائے پھرنا اور شریانوں کی تنگی، ان حالات میں بیگار کے کاموں کیلئے دل کو نہ صرف زائد خون مہیا کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ خون کو تنگ شریانوں سے بھی گذارنا پڑتا ہے جو سخت محنت مشقت کا کام ہے جس سے دل کے تھک ہار جانے پر فشارِ خون، فالج اور دل کے امراض پیدا ہونے سے ہلاکت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۲) دماغی درستی:۔ دماغی درستی کے لئے علم کا حصول ضروری ہے۔ "(بے علم) ان پڑھ اپنے خیالاتِ باطل کے سوا (خدا کی) کتاب سے واقف ہی نہیں اور وہ (صرف) ظن سے کام لیتے ہیں!" (۲: ۸۲) اور "کچھ شک نہیں کہ ظنِ صداقت کے مقابلے میں کچھ کارآمد نہیں ہو سکتا!" (۱۰: ۳۶) اور "ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا!" (۵۳: ۲۸) جو لوگ بے عقل ہیں اُن پر وہ نجاست ڈالتا ہے!" (۱۰: ۱۰۰) اور اٹکل دوڑانے والے ہلاک ہوں گے۔ جو بے خبری میں بھولے ہوئے ہیں!" (۵۱: ۱۰-۱۱)۔ جو لوگ بے علم و جاہل ہوں": اُن کی حالت بالکل ایسے ہے جیسے چرواہا جانوروں کو پکارتا ہے اور وہ ہانک پکار کی صدا کے سوا کچھ نہیں سنتے" (۲: ۱۷۱) یعنی وہ بھیڑوں کے گلے کی مانند ہیں کہ قوم کے گمراہ سردار انہیں جدھر چاہیں ہانک لے جائیں اور چرواہا اگر موجود نہ بھی ہو تو اُس کا کوئی سدھایا ہوا جانور انہیں قابو کئے رکھتا ہے۔

تعلیم سے علم، قبولیت، یقین اور ایمان کے درجات طے ہوتے ہیں۔ کلمۂ طیبہ حقیقت سے آگاہی یعنی علم ہے جبکہ کلمۂ شہادت یعنی بن دیکھے خدا اور اس کے رسول کی گواہی دے دینا ایمان ہے، ایسے ہی جیسے آنکھ والا دھوپ سے اور اندھا دھوپ کی تمازت سے بلا سورج دیکھے سورج کی گواہی دے دیتے ہیں اور یا بیٹا باپ کے باپ ہونے کی تصدیق کرتا حالانکہ وہ کوئی ثبوت مہیا نہیں کر سکتا۔

علم اور ایمان، ماحول و مشاہدات اور معلّم کے ذریعوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ مشاہدات سے تعلیم ملنے کی عمدہ ترین مثال حضرت ابراہیمؑ کی ہے کہ: "اللہ تعالیٰ ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں۔ جب رات نے ان کو (پردۂ تاریکی سے) ڈھانپ لیا تو (آسمانوں میں) ایک ستارہ نظر پڑا۔ کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے۔ جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھ کو غائب ہو جانے والے

پسند نہیں۔ پھر جب چاند دیکھا کہ چمک رہا ہے تو کہنے لگے میرا پروردگار یہ ہے لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا رستہ نہیں دکھائے گا تو میں ان لوگوں میں ہو جاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے میرا پروردگار یہ ہے کہ یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے، لوگو! جن چیزوں کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں۔ میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔" (۶ : ۷۶ - ۸۰)

قرآن مجید میں سب سے زیادہ زور حصول علم و ایمان پر دیا گیا ہے۔ معلّم سے اوّلین ہدایات جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ملیں وہ علم اور تندرستی سے متعلق ہیں۔ سب سے پہلی وحی سورۃ "العلق" کی پہلی یہ آیات ہیں: "اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو تمہارا ربّ بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا!" (۹۵ : ۱ - ۵) دوسری مرتبہ جبریلؑ کو دیکھ کر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم خوفزدہ ہو کر گھر پہنچے تو کمبل یا لحاف اوڑھا کر لٹا دیئے گئے۔ ایسے میں لیٹنے کی بجائے میدانِ عمل میں آکر معلّمی کا فریضہ ادا کرنے کا حکم یوں ملا: "اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اُٹھو اور ہدایت کرو اور اپنے ربّ کی بڑائی کا اعلان کرو، اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دور رہو، اور اس نیّت سے احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ کے طالب ہو اور اپنے پروردگار کی خاطر صبر کرو!" (۷۴ : ۱ - ۷) ان آیات میں پاک صاف ہو کر اور گندگی سے دور رہ کر تندرستی کا نمونہ پیش کرنے اور خدا کا آئین اور اس کی حاکمیّت کے نفاذ کرانے کی واضح ہدایات ہیں۔ تعلیم کے ذریعہ یہ کام بلا معاوضہ کرنے کا حکم ہے کہ اس کے لئے خدا سے ملنے والا صلہ کافی ہے۔ سوشل ورک کے طور پر لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے تعلیم دینے اور آئینِ الٰہی کا نفاذ کرانے کے لئے تکالیف کا سامنا ضروری ہے جس پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

مومنوں پر دو بڑے احسانات ہیں۔ ایک اللہ کا احسان ہے تو دوسرا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہے۔": خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ اُن میں ان ہی میں سے ایک

پیغمبر بھیجے جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔ پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے!" (۳ : ۱۶۴) بلا معاوضہ لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی تکالیف اٹھائیں۔ ان کا ذکر آپ نے یوں کیا ہے: "اللہ کی راہ میں جتنی مجھے تکلیف دی گئی ہے کسی اور کو نہیں دی گئی!" (حدیث نبویؐ)

سورۃ "الاعلیٰ" بھی ابتدائی دور میں نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔ آیات ۶ تا ۱۳ میں بتایا گیا ہے کہ پیغمبر کو تعلیم صرف خدا سے ملتی ہے جسے بھلایا نہیں جا سکتا سوائے اس کے جسے خود خدا چاہے، وہ ظاہر و پوشیدہ کو جاننے والا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم ملنے کے بعد عام فہم آسان طریقے سے لوگوں کو تعلیم دینے کی ہدایت ہے۔ ایسی تعلیم جو نفع بخش ہو۔ اس تعلیم سے اللہ ڈرنے والے لوگ بہرہ ور ہوں گے اور بے بہرہ رہنے والے وہ انتہائی بدبخت لوگ ہوں گے جو بڑی آگ میں ڈالے جائیں گے جس میں وہ نہ مریں گے اور نہ جئیں گے۔

یہ آگ میں ڈالا جانا اور پھر نہ مرنا کیسے؟ اس کی ادنیٰ سی مثال بخار کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: "بخار جہنم سے علاقہ رکھتا ہے!" (ابن ماجہ) صفائی اور غذا سے لاپرواہی برتنے سے انسان جراثیمی قسم کے شیطانوں کے حملے کا شکار ہو کر بخار میں پھنکنے لگتا ہے اور چیختا چلاتا ہے کہ ہائے مجھے آگ لگی ہوئی ہے، میں مرا، مجھے بچاؤ، جیسے کہ فرمایا گیا ہے کہ: "جو بدبخت ہوں گے وہ دوزخ میں (ڈال دیئے) جائیں گے۔ اس میں ان کو چلّانا اور دھاڑنا ہوگا!" (۱۱ : ۱۰۶) حالت بگڑنے پر مریض ہذیان بکتا ہے اور پھر سوش وحواس کھو کر کھانے پینے اور بول و براز کرنے سے معذور ہو جاتا ہے تو نہ مُردوں میں شمار ہوتا ہے اور نہ زندوں میں۔ جراثیمی شیطانوں کی افزائش کے لئے بہترین ماحول گندگی ہے تو بہترین درجہ حرارت تندرست انسانی جسم کا ہے۔ لیکن یہ مخلوق انسان کو بخار کی آگ میں ڈال کر خود بھی اسی آگ میں انسانی جسم کے اندر جلتی ہے جیسا کہ واضح کیا گیا ہے کہ "شیطان اور اس کے رفیقوں سے دوزخ کو بھر دیا جائے گا!" (۳۸ : ۸۴)

دورِ حاضر میں دماغی امراض کی کثرت مغربی ممالک کے لئے صحت کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ امریکہ کے ہسپتالوں میں ہر چوتھا بستر دماغی مریض کا ہوتا ہے۔ یہ حالت خدا کی دی گئی

تعلیم سے انحراف کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ حکماء کو خطرہ ہے کہ چند سال بعد مملکت خداداد پاکستان بھی کچھ اسی قسم کی دماغی حالت سے دوچار ہو جائے گی۔ خدا کی تعلیم سے دوری، مغرب کی بے راہ روی کی تقلید اور پھر اللہ تعالیٰ کے فرامین نظر انداز کر دینے سے اس حالت کا سامنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مگر مسلمان رہ کر اس حالت سے دوچار ہونے سے بچا جا سکتا ہے کیونکہ "اللہ تعالیٰ نے تم کو سات آیتیں (سورۂ فاتحہ) دے رکھی ہیں جو (نماز میں) بار بار دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن دیا!" (۱۵ : ۸۷)۔ بار بار خدا کی بندگی سے اس کی ذات کو حاکم اعلیٰ مانتے رہنے، اُسی سے حاجت روائی کے لئے طلبگار ہونے اور عظمت والے قرآن کے ذریعہ اس کے فرامین کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد نہ تو کسی گمراہ انسان کی پیروی کی جا سکتی ہے اور نہ ہی راہِ راست سے بھٹکا جا سکتا ہے۔ ایسے میں کسی دماغی مرض کے جڑ پکڑنے لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ ؎

جاتا ہے جہاں مسلم بناتا ہے وہیں مسجد ہے اس اللہ والے کیلئے سارا جہاں مسجد

اس سے مسلمانوں کے ہر محلّے میں ایک ہیلتھ سنٹر قائم ہو جاتا ہے جس میں باقاعدگی سے جانچ پڑتال ہوتے رہنے سے امراض کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔

"جانداروں میں سب سے بدتر خدا کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں، سو وہ ایمان نہیں لاتے!" (۸ : ۵۰) خدا نے انسان کو وہ سُوجھ بُوجھ دے رکھی ہے جو کسی اور جاندار کو نصیب نہیں۔ اسے کام میں لا کر وہ علم و ایمان کی نعمت سے مالا مال ہو سکتا ہے مگر ہدایت کے ہوتے ہوئے انسان اگر عقل کو کام میں نہ لائے اور لاعلمی و جہالت میں مبتلا رہے تو بلاشبہ انسان جانداروں میں سب سے بدتر اور اسفل السافلین بن جاتا ہے۔

(۳) معاشرتی درستی :- بیماری، بیکاری، جہالت اور غربت خرابیوں کی جڑیں جو علم عمل کے کلہاڑے سے کٹتی ہے۔ عملی زندگی سے علم کا کلہاڑا تیز و آبدار ہوتا ہے اور بے عملی سے یہ زنگ آلود ہو کر ناکارہ ہو جاتا ہے۔ عامل عالم تندرستی سے بہرہ ور ہوتے ہوئے ہنرمندی و عقلمندی سے اپنی معاشی و اقتصادی حالت سنوار کر اچھے اخلاق و کردار کا مظہر بنتا ہے۔ اُس کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے پسندیدہ اعمال سے معاشرے کو تقویت ملتی ہے جس میں وہ اُونچا مقام حاصل کر کے معاشرتی درستی کے فرامین قرآن مجید میں بکثرت ملتے ہیں۔ جن میں سے چند ایک یوں ہیں :- "میرے بندوں سے کہہ دو کہ (لوگوں سے) ایسی باتیں کہا کریں جو بہت

پسندیدہ ہوں!" (۱۷ : ۵۳) "خدا اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو علانیہ بُرا کہے، مگر وہ جو مظلوم ہو!" (۴ : ۱۲۸) "اور تکبّر میں لوگوں سے اپنے گال نہ پھُلا اور نہ زمین پر اکڑ کر چل!" (۳۱ : ۱۸) "جو غصّے کو پی جاتے ہیں اور جو لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں، ایسے نیکوکار لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں!" (۳ : ۱۳۴) "خدا فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا" (۲ : ۲۰۵) "فساد قتل و خونریزی سے بڑھ کر ہے!" (۲ : ۱۹۱) "اور جو شخص مسلمان کو قصداً قتل کرے گا۔ تو اس کی سزا جہنّم ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑا رہے گا۔ خدا اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا۔ اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا ہی زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے!" (۴ : ۱۳) "تمھارا مال اور اولاد ایسی چیزیں نہیں کہ تم کو ہمارا مقرّب بنا دیں، ہاں (ہمارا مقرّب وہ ہے) جو ایمان لایا اور عمل نیک کرتا رہا!" (۳۴ : ۳۷) "ماں اور باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو، اگر اُن میں سے ایک یا دونوں تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اُف نہ کہنا۔ اور نہ ہی انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب سے کرنا!" (۱۷ : ۲۳) "خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو، اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگے تو انصاف سے فیصلہ کرو!"۔ (۴ : ۵۸) "خدا کیلئے سچّی گواہی دو خواہ (اس میں) تمھارا یا تمھارے ماں باپ، اور رشتہ داروں کا نقصان ہو!" (۴ : ۱۳۵) "جب کوئی چیز ماپ کر دینے لگے تو پیمانہ بھر کر دو، اور (جب تول کر دو تو) اور ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو، یہ اچھّی بات ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے!" (۱۷ : ۳۵) "اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ، خواہ وہ کھُلی ہوں یا چھُپی!" (۶ : ۱۵۲) "زنا کے قریب نہ پھٹکو کہ وہ بے حیائی اور بُری راہ ہے!" (۱۷ : ۳۲) "یہ شراب اور جُوا، اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جُوئے کے ذریعے تمھارے درمیان عداوت اور بُغض ڈال دے اور تمھیں خُدا کی یاد اور نماز سے روک دے" (۵ : ۹۰-۹۱) "خُدا سے ڈرو اور جو کچھ تمھارا سُود لوگوں ـــــ پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور رسولؐ کی طرف سے تمھارے خلاف جنگ ہے!" (۲ : ۲۷۸-۲۷۹) "نماز قائم کرو یقیناً نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے!" (۲۱ : ۵۵) "خدا سے تو اس کے بندوں میں سے

وہی ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں ۔" (۲۸ : ۳۵)

قرآن مجید میں سب سے زیادہ زور حصولِ علم و ایمان پر ہے اور پھر اقامتِ نماز کی تاکید ہے ۔ صرف نماز پڑھنے پر زور نہیں دیا گیا ۔ نماز سے صفائی اور ورزش کے ذریعے تندرستی اور خطبات و اقامت کے ذریعے تعلیم ملنے کے فوائد محتاجِ بیان نہیں ہیں ۔ اقامتِ نماز سے آپس کے میل جول سے معاشرتی درستی نصیب ہوتی ہے ۔ امیروں کے غریبوں کے شانہ بشانہ کھڑا ہو جانے سے مساوات قائم ہوتی ہے ۔ اس سے جمہوریت اور اطاعتِ امیر کا سبق ملتا ہے کہ نمازی اپنی مرضی سے، بلا جبر و اکراہ اور بغیر کسی لالچ کے اپنے سے اچھے کو امیر منتخب کرتے ہیں اور پھر اس کے اشاروں پر قیام و قعود کرتے اور زمین بوس ہوتے ہیں ۔ امیر سے نادانستہ طور پر غلطی ہو جانے پر سبھی سجدۂ سہو کی سزا خوشی سے قبول کرتے ہیں ۔ نماز کے ذریعے فرامینِ خدا پیشِ نظر رہتے ہیں، جس کی وجہ سے انسان خدا سے ڈرتا رہتا ہے اور فحش، اور برے کاموں سے بچ کر معاشرتی درستی سے ہم کنار ہوتا ہے ۔

خدا سے ڈرنا جن بھوت سے خوفزدہ ہو کر ڈرنے اور دور بھاگنے جیسا نہیں ۔ خدا سے ڈرنے سے تو خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے اور دل و دماغ کو سکون ملتا ہے ۔ اس سے تندرستی، تندرستی اور معاشرتی درستی نصیب ہوتی ہے ۔ خدا سے ڈرنے والوں کو قرآن میں یوں واضح کیا گیا ہے : نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب کی طرف منہ کر لو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور فرشتوں پر، اور خدا کی کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال، باوجودیکہ عزیز رکھنے کے رشتہ داروں، اور یتیموں، اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والے (حاجت مندوں) کو دیں ۔ اور گردنوں (یعنی غلاموں کے چھڑانے) پر خرچ کریں، اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب وہ عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں، اور سختی اور تکلیف میں اور (حق و باطل کے معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں ۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں، اور یہی ہیں جو (خدا سے) ڈرتے ہیں ۔" (۲ : ۱۷۷) ——خدا سے ڈرنے اور خدا کو یاد رکھنے کو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے یوں واضح کیا ہے : "دیکھو خدا کا فرمان تیری آنکھوں کے سامنے ہو، جب تو بیٹھے، اور جب تو چلے اور تمام اوقات میں اس پر دھیان رکھ : (انجیل) ——

مرتّب آپکی جسکی ہر اک شق ربِّ اکبر نے ۔۔۔ پیمبرؐ عرش سے کے وہ دستورِ نظم آیا ؟

کہ یہ دستور شفا و رحمت ہے فرمایا کہ "اس (دستور) کے (ذریعہ) سے اللہ تعالیٰ وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے!" (۱۷: ۸۲) "لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت آپہنچی ہے۔ کہہ دو کہ یہ (کتاب) خدا کے فضل اور اس کی مہربانی سے (نازل ہوئی) ہے، تو چاہئے کہ لوگ اس سے خوش ہوں۔ یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں!" (۱۰: ۵۷) "اللہ نے تم پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے کہ (اس میں) ہر چیز کا بیان ہے۔ اور مسلمانوں کیلئے ہدایت اور رحمت، اور بشارت ہے۔" (۱۶: ۸۹)

چوں مسلماناں اگر داری نظر — در ضمیر خویش و در قرآں نگر
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست — عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست

عالمی تنظیم صحت کے آئین میں جہاں صحت کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ "صحت سے مراد مکمل جسمانی، دماغی اور معاشرتی درستی ہے، صرف بیماری اور کمزوری کا عدم وجود نہیں!" وہاں پر یہ بھی درج ہے کہ "صحت کے اعلیٰ ترین معیار سے لطف اندوز ہونا ہر انسان کا ایک بنیادی حق ہے!" اسی بنیادی حق سے ہمکنار کرانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے سادہ اور عام فہم قوانین بنی نوع انسان کو قرآن حکیم کے ذریعہ مرحمت فرمائے۔ ان قوانین کو چند لفظوں میں سورۃ "الاعلیٰ" میں یوں کوزہ بند کیا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝

"بے شک فلاح پاگیا (یعنی صحت کے اعلیٰ ترین معیار سے ہمکنار ہوگیا) وہ جو پاک صاف ہوا (جس سے تندرستی ملی) اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا (یعنی دماغی درستی سے بہرہ ور ہو کر اللہ کے فرامین کو دھیان میں رکھا۔) اور نماز پڑھتا رہا۔ (کہ فحش اور برے کاموں سے نجات پاکر معاشرتی درستی کا حامل ہوا۔)" (۸۷: ۱۴-۱۵)

حوالہ جات

(۱) بریکٹوں کے اندر دیئے گئے نمبری حوالہ جات قرآن مجید کی سورۃ اور آیت کو ظاہر کرتے ہیں
(۲) قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ مولانا فتح محمد خاں مرحوم جالندھری کی فتح الحمید کا مرہونِ منت ہے

رمضان کا مہینہ وہ ہے

جس میں قرآن اتارا گیا!

روزہ اور قرآن کی شفاعت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ ـــــ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے۔ (یعنی اُس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اُس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سُنے گا!)۔ روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! مَیں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا، آج میری سفارش اِس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما!)۔ اور قرآن کہے گا کہ: مَیں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا، خداوندا آج اِس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما!) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کیلئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا!) اور خاص مراحم خسروانہ سے اس کو نوازا جائے گا۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

★

شَهْرُ رَمَضَانَ
الَّذِىْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ
هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى
وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى
سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ
يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ
بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ
وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(البقرة : ١٨٥)

★

رمضان کا مہینہ ہے

جس میں قرآن اتارا گیا

لوگوں کے لیے ہدایت بنا کر اور ہدایت اور حق

و باطل کے امتیاز کے کھلے دلائل کے ساتھ۔

سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو وہ

اس کے روزے رکھے، اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے

دنوں میں گنتی پوری کرے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے

آسانی چاہتا ہے، تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنا چاہتا

اور چاہتا ہے کہ تم تعداد پوری کرو۔ اور اللہ نے

جو تمہیں ہدایت بخشی ہے اس پر اُس کی بڑائی کرو

اور تاکہ تم اس کے شکر گزار بنو۔

بقرہ، ۱۸۵

رمضان کی آمد پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک

خطبہ

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ: "يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا. مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمَوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ. مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقُ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَّا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَّاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَّاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَّمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ ۝

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک خطبہ دیا۔ اس میں آپؐ نے فرمایا:۔

"اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے۔ اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہ خداوندی میں کھڑا ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا اور اس مہینہ میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانہ کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے جس نے اس میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا، تو اس کے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔" آپؐ سے عرض کیا گیا کہ:۔ یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان حاصل نہیں ہوتا۔ تو کیا غرباء اس ثواب سے محروم رہیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے (رسول اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا (اس کے بعد آپؐ نے فرمایا) اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپؐ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف و کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے دے گا۔"

(ترجمہ ماخوذ از معارف الحدیث، مولانا محمد منظور نعمانی)

قرآن مجید کی عظمت و فضیلت

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّھَا سَتَکُوْنُ فِتْنَۃٌ، قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ کِتَابُ اللّٰہِ فِیْہِ نَبَأُ مَا قَبْلَکُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَکُمْ وَحُکْمُ مَا بَیْنَکُمْ ھُوَ الْفَصْلُ لَیْسَ بِالْھَزْلِ، مَنْ تَرَکَہٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَہُ اللّٰہُ، وَمَنِ ابْتَغَی الْھُدٰی فِیْ غَیْرِہٖ اَضَلَّہُ اللّٰہُ، وَھُوَ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ، وَھُوَ الذِّکْرُ الْحَکِیْمُ وَھُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ، ھُوَ الَّذِیْ لَا تَزِیْغُ بِہِ الْاَھْوَآءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِہِ الْاَلْسِنَۃُ وَلَا یَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَآءُ وَلَا یَخْلَقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ، ھُوَ الَّذِیْ لَمْ تَنْتَہِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْہُ حَتّٰی قَالُوْا: "اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّھْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ"؛ مَنْ قَالَ بِہٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِہٖ اُجِرَ وَمَنْ حَکَمَ بِہٖ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا اِلَیْہِ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ط ——— (رواہ الترمذی والدارمی)

"حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ نے ایک دن فرمایا: آگاہ ہو جاؤ ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس فتنہ کے شر سے بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کتاب اللہ، اس میں تم سے پہلی اُمتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں، اور تمہارے بعد کی اس میں اطلاعات ہیں، (یعنی اعمال و اخلاق کے جو دُنیوی و اُخروی نتائج و ثمرات مستقبل میں سامنے آنے والے ہیں، قرآن مجید میں اُن سب سے بھی آگاہی دے دی گئی ہے!) اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں قرآن میں اُن کا حکم اور فیصلہ موجود ہے (حق و باطل اور صحیح و غلط کے بارے میں) وہ قولِ فیصل ہے، وہ فضول بات اور یاوہ گوئی نہیں ہے۔ جو کوئی جابر و سرکش اس کو چھوڑے گا (یعنی غرور و سرکشی کی راہ سے قرآن سے مُنہ موڑے گا!) اللہ تعالیٰ اُس کو توڑ کے رکھ دے گا، اور جو کوئی ہدایت کو قرآن کے بغیر تلاش کرے گا اُس کے حصّہ میں اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئے گی (یعنی وہ ہدایتِ حق سے محروم رہے گا!)

قرآن ہی حبل اللہ المتین یعنی اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ ہے، اور محکم نصیحت نامہ ہے، اور وہی صراطِ مستقیم ہے، وہی وہ حق مبین ہے جس کے اتباع سے خیالات کجی سے محفوظ رہتے ہیں اور زبانیں اُس کو گڑبڑ نہیں کرسکتیں (یعنی جس طرح اگلی کتابوں میں زبانوں کی راہ سے تحریف داخل ہوگئی اور محرّفین نے کچھ کا کچھ پڑھ کے اُس کو محرّف کردیا۔ اس طرح قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہوسکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے تاقیامت اس کے محفوظ رہنے کا انتظام فرما دیا ہے!) اور علم والے کبھی اس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے (یعنی قرآن میں تدبّر کا عمل اور اُس کے حقائق و معارف کی تلاش کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا اور کبھی ایسا وقت نہیں آئے گا کہ قرآن کا علم حاصل کرنے والے محسوس کریں کہ ہم نے علمِ قرآن پر پورا عبور حاصل کرلیا اور اب ہمارے حاصل کرنے کیلئے کچھ باقی نہیں رہا۔ بلکہ قرآن کے طالبین علم کا حال ہمیشہ یہ رہے گا کہ وہ علمِ قرآن میں جتنے آگے بڑھتے رہیں گے اتنی ہی اُن کی طلب ترقی کرتی رہے گی اور اُن کا احساس یہ ہوگا کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ اُس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے، جو ابھی ہم کو حاصل نہیں ہوا ہے) اور وہ (قرآن) کثرت مزاولت سے کبھی پرانا نہیں ہوگا (یعنی جس طرح دنیا کی دوسری کتابوں کا حال ہے کہ بار بار پڑھنے کے بعد اُن کے پڑھنے میں آدمی کو لطف نہیں آتا، قرآن مجید کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے وہ جتنا پڑھا جائے گا اور جتنا اس میں تفکّر و تدبّر کیا جائے گا اتنا ہی اُس کے لُطف و لذّت میں اضافہ ہوگا!) اور اُس کے عجائب (یعنی اُس کے دقیق و لطیف حقائق و معارف) کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ قرآن کی یہ شان ہے کہ جب جنّوں نے اس کو سُنا تو بے اختیار بول اُٹھے:

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ	ہم نے قرآن سُنا جو عجیب ہے، رہنمائی کرتا ہے بھلائی کی، پس ہم اس پر ایمان لے آئے۔

جس نے قرآن کے موافق بات کہی اُس نے سچی بات کہی، اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ مستحقِ اجر و ثواب ہوا، اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ مستحق اجر و ثواب ہوا اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اُس نے عدل و انصاف کیا، اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اُس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہوگئی۔ (

(ترجمہ معارف الحدیث از مولانا محمد منظور نعمانی)

رمضان المبارک کا بہترین تحفہ

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

خود پڑھیئے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفۃً پیش کیجئے — اور
دورانِ ماہِ رمضان اہل و عیال اور اعزّہ و اقارب کے ساتھ اجتماعی مطالعہ کیجئے!

(نوٹ) اس کتابچے کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، فارسی ترجمہ زیرِ طباعت ہے۔
نیز اِس کے حقوقِ اشاعت نہ ڈاکٹر صاحب کے حق میں محفوظ ہیں نہ انجمن کے!

شائع کردہ

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور - فون ۸۵۲۶۱۱

یہ چار ورقہ انجمن خدّام القرآن نے ایک صاحبِ خیر کے تعاون سے شائع کیا ہے جو اس کے قارئین سے دعائے خیر کے خواہاں ہیں

وفاق پریس لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی

و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کی حسب ذیل تالیفات دستیاب ہیں -

۱

مطالبات دین

☐ عبادت رب ☐ شہادت علی الناس اور ☐ اقامت دین

کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب کے تین خطابات کا مجموعہ

بڑے سائز کے ۱۲۸ صفحات - سفید کاغذ - آفسٹ طباعت قیمت : چھ روپے

شائع کردہ : مکتبہ تنظیم اسلامی (فون : ۳۵۲۶۸۳)

۲

نبی اکرم کا مقصد بعثت

اور

انقلاب نبوی کا اساسی منہاج

بڑے سائز کے ۶۴ صفحات ، سفید کاغذ ، آفسٹ طباعت قیمت : تین روپے

۳

مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب

ہدیہ نصف اول ۵ روپے - نصف دوم ۵ روپے

زیر طبع : حقیقت بر و تقویٰ (آیت بر کی روشنی میں)

شائع کردہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

فون : ۳۵۲۶۱۱

Regd. L. No. 7360

Monthly MEESAQ Lahore

Volm. 27	AUGUST 1978	No. 8

'قرآنیات، میں ایک مختصر مگر قابل قدر اضافہ

قرآن حکیم کی سورتوں

کے مضامین کا

اجمالی تجزیہ

اَلْفَاتِحَۃ تا اَلْکَھْف

از

ڈاکٹر اسرار احمد

ہدیہ ―――― شائع کردہ ―――― ۳/-

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد (ناشر) نے باہتمام چوہدری رشید احمد (طابع) مکتبہ جدید پریس
شارع فاطمہ جناح سے چھپوا کر مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی ،